نذرِ عقیدت

یعنی

مدیحِ ہز اگزالٹڈ ہائی نس آصف جاہ سابع

سلطان العلوم خسروِ دکن صانہا اللہ عن الفتن

IN MEMORY OF
Molvi MASUD ALI MAHVI, B.A. (Alig.)
(Retd. Sessions Judge)
PRESENTED TO
MUSLIM UNIVERSITY.
BY HIS SON
Rashid Ahmed, M. A. LL. B. (Alig.)
(Retd. Sessions Judge)

گزرانیدۂ

محوی

تبصرہ

از جناب مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی

ایک وقت تھا کہ شیراز اور اصفہان کی باد بہاری فلک نما پہاڑوں کو طے کرکے ہندوستان کے میدانوں کو بھی رشک گلزار بناتی تھی۔ یہ بہاریں صدیوں تک آتی اور ہندوستان کو چمنستان بناتی رہیں۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔

لوگ کہیں گے گل و بلبل شمع و پروانہ کے افسانے میں کیا رکھا تھا۔ یہ وہ کہیں گے جو حقیقت سے بیگانہ ہیں، واقعات سے ناآشنا ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ادب فارسی نے اہل ہند کے دل و دماغ کے شگفتہ کرنے اور معاملہ فہم اور حقیقت سنج بنانے میں جو حصّہ لیا (اور بہت بڑا حصّہ لیا) اس کے آثار شکر ہے اب بھی بہت کچھ باقی ہیں۔ عمارتوں میں تاج گنج، دلّی کی جامع مسجد مثلاً لو صنعت و حرفت میں کشمیر کی شال لو۔ ڈھاکہ کی ململ لو۔ معاملہ فہمی میں ٹوڈرمل اور ابوالفضل کو لو۔ بالآخر سب کا مجموعہ شاہان تیموریہ کو لو۔ وہ سب کے سب فارسی ادب کے فیض یافتہ تھے جن کی ممنون ایجاد یہ عمارتیں، یہ صنعتیں اور

اراضی کے بندوبست وغیرہ بیسیوں ترقی انسانی کے سرچشمے تھے۔

شیر شاہ جس نے اپنی جہاں بانی کی قوت سے ایک عالم کو حیرت میں ڈالا ہے اُس کے مورخ لکھتے ہیں کہ گلستاں اور بوستاں کی اکثر حکایتیں اُس کو ازبر تھیں اور اُس کی خلوت و جلوت اور رزم و بزم کی رفیق و رہنما۔

آج کشمیر کی بہاریں دنیا کو کھینچ رہی ہیں۔ گوناگوں نغمے اُس سے حاصل کیے جارہے ہیں۔ تاریخ دیکھو۔ سارا کرشمہ فارسی ادب کے فیض کا ہے۔ چالیس برس کی مسلسل محنت میں سلطان زین العابدین نے کشمیر کو کشمیر بنایا۔ وہ فیض لایا تھا سمرقند و بخارا سے۔ اس کے بعد شاہانِ مغلیہ نے اُس کو سنوارا۔

اس کو یاد رکھنا کہ فارسی کی پشت و پناہ عربی تھی وہاں سے فیض لے کر فارسی دنیا کو فیض پہنچاتی رہی۔

آج انگلستان جو اہتمام مولانائے رومؒ کی مثنوی کی اشاعت کا کر رہا ہے وہ زندہ مثال فارسی ادب کے فیض کی ہے۔

فارسی ادب کی حیات بخشی کا نادر ثبوت وہ فضا ہے جو اس ادب کی فیض باری سے سرزمین ہند میں پیدا ہوئی۔ اس فضا کی روح پروری میں سارے مذہبی اور فرقہ داری اختلاف صلح و محبت سے بدل گئے۔ ہندو مسلمان، شیعہ سُنی سب کے سب ایک رنگ میں رنگ گئے۔ رنگ پوڈر کا نہیں، محبت اور یک جہتی کا۔ گجراتی، مرہٹی، ہندی بنگالی، گرمکھی وغیرہ جس زبان کو لوگے ادب فارسی کی گرمی سے اُس کی نبض میں جنبش پاؤ گے۔ آج کل کی تصانیف نہیں اُس زمانے کی تصانیف پڑھو اس رنگ بلکہ بے رنگی کا واضح ثبوت پاؤ گے۔

عارف رومیؒ کی دو بیتیں برسبیلِ تنزل یہاں سبق آموز ہوں گی ؎

چوں کہ بے رنگی اسیرِ رنگ شد — موسیٰ و فرعون اندر جنگ شد

چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی — موسیٰ و فرعون دارند آشتی

حال و ماضی پر نظر ڈال کر یہ شعر مکرر پڑھو۔ مرقعِ عبرت نگاہ کے سامنے پھر جائے گا۔ افسوس کہ دیکھتے دیکھتے اس بہار پر خزاں آگئی۔ وہ فضا مٹ گئی۔ آج بھی خاقانی و انوری کا درس ہے مگر مندرس، مٹا ہوا، برائے نام (بلکہ نام کو نہیں) کیوں؟ ادبی فضا نہیں۔ نتیجہ آنکھوں کے سامنے۔ جو لوگ زمانہ حال کو بنا گئے اُن کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، نہیں پاتیں۔ راجہ رام موہن رائے، پنڈت اجودھیا ناتھ، سر سید احمد خاں، محسن الملک اور وقار الملک آج کہاں ہیں اور اُن کے نہ ہونے کو ملک کس شدت سے محسوس کر رہا ہے؟

اس بے کیفی کی تاریکی میں اگر کسی طرف سے روشنی آجائے تو اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوتی ہے۔

یقین کیجئے کہ جب مولوی مسعود علی صاحب محوی میرے مکرم کا خط آیا کہ فارسی کلام اُن کا طبع ہوا ہے اور اُس کا نسخہ میرے پاس آئے گا تو مجھکو بھی اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوئی۔ حیرت اس پر کہ اب بھی زبان و قلم پر فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مسرت اس پر کہ ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں کیا عجب کہ کسی روز بھڑک اُٹھیں، دلوں کو گرما دیں، خرمنِ جنگ و جدل کو پھونک دیں۔

اس مجموعے کا نام "نذرِ عقیدت" ہے۔ اُس کی نسبت چند لفظ عرض کرتا ہوں۔ اس کا افسوس ہے کہ جہاں استادانِ سلف کی ادبی روش میں جناب محوی محو ہیں

وہاں اتلاف کلام میں بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنا پسند کیا ہے۔ عرفی نے ایک مجموعہ کھو یا تھا تو یہ بھی کھو بیٹھے۔ نقصان یہ ہوا کہ غزل سے کلام خالی ہے۔ صدہا برس سے فارسی کا سرمایۂ ناز غزل ہے جس کو متاخرین کی نکتہ سنجی اور سحر آفرینی نے سحر حلال کا مرتبہ بخشا ہے۔ تصوف کی آمیزش نے اُس کو مثنوی و قصیدے کی صف میں جا بٹھایا ہے۔ صرف قطعات و قصاید اس مجموعے میں ہیں۔ اُن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اہل زبان کے انداز بیان اور طرز سخن کا گہرا مطالعہ شاعر نے کیا ہے اور اس لئے فارسی ادب کا لطف اس کلام کو پڑھکر حاصل ہوتا ہے۔

ایک خوش قسمتی محوی کی قابل رشک ہے۔ اُن کو مواقع ایسے ملے کہ جنھوں نے اُن کے کلام میں زندگی کی قوت اور واقعیت کی روح پھونک دی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں عہد عثمانی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اُن کو نصیب ہوا اور متواتر ایسے موقعے آتے رہے کہ جو ادب فارسی کے فروغ کے لئے مناسب بلکہ ہنگامہ گرم کن تھے۔ محوی نے ہر موقع کے مناسب نظم ادیبانہ روش سے لکھی۔ خوبی یہ کہ مبالغہ کی پرواز سے عدم آباد نہیں بسایا بلکہ اسی دنیا میں رہ کر وہ واقعات نظم کئے جن کی حقیقی شان اور رفعت مبالغہ کی محتاج نہ تھی اور اپنے زور طبیعت اور لطف بیان سے مبالغہ سے زیادہ دلکشی پیدا کی۔ روانی، تاثیر اور بلاغت کے نمونے دکھائے۔

آخر میں اُس یک رنگی کو پھر یاد کرو، جس کی داستان میں نے آغاز کلام میں چھیڑی تھی اور محوی کا یہ فقرہ پڑھو اور میرے بیان کی تصدیق کرو۔

" اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہٗ و سلطنتہٗ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح

اور عالی جناب سر مہاراجہ کرشن پرشاد یمین السلطنت دام اقبالہٗ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے
تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔"

آخر میں دعا ہے کہ محوی کی محنت بار آور ہو۔ اُن کے کلام کی اہل ملک قدر کریں اور اس سے فیضِ پاک جیتی حاصل جس کا ملک آج اُسی طرح محتاج ہے جس طرح پیاسا پانی کا، بھوکا روٹی کا۔

ع یعنی اگلے ہمدموں کے فیض صحت پر ۱۲ شروانی

محمد حبیب الرحمٰن خاں
(صدر یار جنگ)

حبیب گنج
۱۳ رجب المرجب ۱۳۵۶ھ

تبصرہ

از جناب علامہ محمد عبد اللہ العمادی مدظلہ العالی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہوتِ شعر میں ایک "نسیب" ہے جسے عجمیت کے شباب نے "تشبیب" بنا دیا۔
ایک "مخلص" ہے کہ عرصۂ ادب میں فن کی گریز پائی دیکھتے دیکھتے "گریز" کر گیا۔
ایک "مدح" ہے کہ اچھے کاموں کی ترغیب دلائے۔

آخر میں دعا ہے کہ صلاح و فلاح کی اللہ توفیق دے اور مکروہات سے بچائے۔

تشبیب میں وہی کبھی پیشرو ہوئے جن کے قدم دائرۂ امکان سے آگے بڑھ چلے۔
کمال اسمٰعیل کو "خلاق معانی" کہتے ہیں انھوں نے آفتاب سے تشبیب کی ہے کہ یہ
ایک صابون کی ٹکیا اور گرم پانی کا طشت ہے کہ رات کی تاریکی اس سے دھل جائے ؎

قرصِ صابون ست پنداری و طشتِ آب گرم
تا بداں گردوں فرو شوید ز زلفِ شب خضاب

آنکھ کے ایک پردہ کو عنکبوتی کہتے ہیں اور اصطرلاب میں بھی عنکبوت ہے اس پر
مضمون کا جالا تنتے ہیں ؎

مانندِ عنکبوتِ سطرلاب رخنہ شد — اطباقِ عنکبوتیِ این دیدۂ خراب

لطفِ مخلص کی بندش سے توجیہ نے گویا خلاصی ہی حاصل کرلی۔

مدح میں فرض کرتے ہیں کہ ممدوح کا نیزہ اتنا بلند ہے کہ آسمان کو چھو لیتا ہے، بالفرض دشمن بھی اونچا ہو تو کیا ہوا؟ نیزہ ہی کی طرح لرزتا رہے گا ؎

گرچو رمحِ تو برد دشمنِ تو سر بفلک — استخوانہاش ہم از بیمِ تو لرزاں باشد

حیاتِ دوام کی دعا کرتے ہیں، اس لئے کہ شاعر کی رائے میں تمام دنیا ممدوح ہی کے اشاروں پر چل رہی ہے ؎

جاوید زی کہ وضعِ فلک دورِ روزگار — چوناں کہ رفت اشارتِ تو ہمچناں نہاد

اب مولانا محوی کا علوّ مقام دیکھئے کہ سبقت کا جو مضمار ہے، مسابقت کا جو مقام ہے، سب میں سابق اُن کا کلام ہے۔

نسب میں فرماتے ہیں: ؎

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنسہاست — گرمیِ بازار لیکن سبب این یک تن ست
اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں — تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

خانخاناں کی زمینِ سخن کو شاداب کرتے ہیں: ؎

بدوست یاد ندارم مرا چہ پیوند ست — جز این دو حرف کہ من بندہ او خداوند ست

ز منکران نہ ہراسم کہ بر محبتِ من — نگاہ شوق گواہ است و اشک سوگند ست

"آیات اولی الالباب" کی تفسیر کی ہے: ؎

بہ پند غیر چہ حاجت کہ بہرِ اہلِ نظر — جہان و ہر چہ درو ہست پند در پند ست

عزتِ نفس کا منظر دیکھیے: ؎

تشنۂ الطافِ تو در کربلائے نام و ننگ — داد جاں در تشنگی و ز چشمہ لب تر نشد

نظیری کی طرح یہ شان بے نظیری دیکھنے کے قابل ہے: ؎

منصور را شماتتِ صد دشمناں نداد — دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

عزمِ بلند کا درس دیتے ہیں: ؎

قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاہ — وگرنہ لالہ و گل در چمن فراوان ست

مخلص ملاحظہ ہو، جوشِ بہار کا نقشہ کھینچ کر دکھاتے ہیں: ؎

ز فرطِ نشو و نما شاخ و گل رسند بہم — چو لالہ سر کشد از شاخ تا چہ بار کشد

زہے روانیِ طبعِ رواں کہ از یک حرف — سخن ز صحنِ گلستاں بشہر یار کشد

رات کو شعرا حاملہ کہتے آئے ہیں، اس میں مضمون آفرینی کی داد دی ہے: ؎

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد — عمرہا بگذشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت شمعِ بزمِ علم و فن — نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست

مدح میں مولانا محوی کا اسلوب شاید سب سے الگ نظر آئے گا۔

ایک ایک شعر سے بادشاہ کے ساتھ اُن کی مخلصانہ عقیدت تراوش کرتی ہے:

عروج وزوال ملّت کی تاریخ اُن کے سامنے ہے، درد سے دل لبریز ہے، سینے سے نالے نکلتے ہیں اور ترکیب بند بن جاتے ہیں : ؎

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید　　چار سو بنگرد و لب بہ فغاں بکشاید
خویش را خوار چو در پنجۂ اعدا بیند　　نظرِ یاس سوِ اُمّتیاں بکشاید

اعلیٰ حضرت خلّدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرماتے ہیں : ؎

گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت　　سکّۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے　　مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد

مولانا محوی کی یہ دعا قبول ہوئی، اعلیٰ حضرت کے فیض سے حیدرآباد حقیقت میں "مرکزِ دائرۂ دولت و دیں" بن رہا ہے۔

چاروں بند عجیب شان رکھتے ہیں۔

صاف نظر آتا ہے کہ اخلاص مندی اُکساتی ہے اور حرفِ عقیدت زباں پر لاتی ہے۔

استحکامِ سلطنت کے اصول بیان کرتے ہیں اور پھر جوش دلاتے ہیں : ؎

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن　　دل درو بستن و اسباب مُہیّا کردن
شہ نما آئنۂ نیست بعالم شاید　　سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن

نااُمیدوں کو ڈھارس دیتے ہیں : ؎

شاہ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد　　ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد
کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد　　عالمے را بدمِ تیغ و سناں نگزارد
آں کہ دارد دلِ بیدار و سرِ پنجہ قوی　　قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد

انداز دعا ملاحظہ ہو:

بفرّ و شوکتِ شاہانہ تا ابد باشی　　ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چگامۂ دیگر　　ادائے تہنیتِ قبضۂ برار کنم

مقام دعا کی دل کشا ندرت دیکھئے:

در حریمِ بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ　　خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است

مولانا محوی کا کلام نہایت ممتاز خصائص کا جامع ہے۔

عرب میں ابن زیدون کا قصیدہ اسلامی سلطنتوں کی تاریخ مانا گیا ہے، مولنا محوی کا کلام اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے عہد دولت کی ایک نہایت روشن تاریخ ہے جس کے آئینہ میں اُن تمام ترقیوں کے جلوے نظر افروز ہوتے ہیں جن سے اس عہد سعادت میں ملک و ملت کی شان بڑھی ہے، بیشتر قصائد تاریخی ہیں اور بعض مثلاً:

گیتی مراد از نمِ ابر بہار یافت

ایک دل کش تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ہر محکمے کی تصویر دکھائی ہے اور منظر کی تصویر کھینچی ہے۔

جہاں جہاں موقع ملتا ہے ملک و ملت کو بیدار کرتے ہیں۔ غلو و اغراق سے کلام پاک ہے۔

زبان عجمی اور خالص عجمی ہے مگر حقیقتاً عربی ہے۔ جو کہتے ہیں اسی اسلوب میں کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت پادشاہ اسلام کے زیر سایہ لوائے اسلام سربلند ہے۔

انداز عبرت و پختگی و روانی و سلاست و شگفتگی میں سعدی سے اُن کو تشبیہ دی جا سکتی تھی، اگر سعدی یہ تعلیم نہ دیتے: ؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں　　بباید گفتن اینک ماہ و پرویں

اب دیکھیے، مولانا محوی کیا تعلیم دیتے ہیں: ؎

شاہ را روشنگر ہر انجمن باید شدن　　ہمچو جاں قوّت دہِ ہر عضوِ تن باید شدن
در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز　　بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن
در تنِ ہر مملکت روح و روانِ علم ست وفن　　پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن
گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی　　خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحت سے تعبیر فرمایا ہے، یہی دینداری ہے جو ایک مخلص مسلمان کو عقیدت مندی کا حق ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان قصائد کے بعد اگر دیوان غزل کی نوبت آئی تو اہل فن دیکھ لیں گے کہ خسرو کے عہد سے جس پختگی کی بنیاد پڑی تھی مولانا محوی میں وہ کس طرح پختہ تر ہو کر نمایاں ہو رہی ہے۔

فلسفے نے عالم کی ہر شے کو متحرک مانا ہے، فرماتے ہیں: ؎

تو ساکنی و ہمہ کائنات در سیر ست

نظیری کی غزل پر غزل کہی ہے جس میں ایک ایسا شعر کہہ گئے ہیں کہ ایک دیوان نثار ہے: ؎

جز بنامت نشود مسجد و بتخانہ بنا　　اے کہ صد مسجد و بتخانہ برانداختۂ

میری رائے ناقص میں اگر فارسی کے نصاب درس میں یہ مجموعہ داخل کرلیا جائے تو ادب فارسی کی خوش بختی ہوگی۔ فارسی کے نقش و نگار اگرچہ مٹتے جاتے ہیں لیکن جو زبان ایسا نقشِ ادب رکھتی ہو، ایسے نگار خانۂ سخن پر حاوی ہو، اُس کو مٹایا نہیں جا سکتا ؎

ہزار نقش تماشا شکستہ اند ہنوز
ہزار نقش تماشاست چشمِ بینا را
(محوی)

عمادی

لیلۃ المعراج
۱۳۵۶ھ

ھوالکافی

نخلِ تصویریم ما از برگ و بارِ ما مپرس — از خزانِ ما مگو وز نو بہارِ ما مپرس
زادگانِ سروراں، آزادگانِ بے نشاں — از نژادِ ما مجو ہم از دیارِ ما مپرس

نژاد اور دیار سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اپنے اور ان نظموں کے متعلق جو ناظرینِ باتمکین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہیں، چند حرف عرض کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس زمانہ میں جس طرح "منشی" اور "مولوی" کے الفاظ اپنے اصلی مفہوم سے منزلوں دور جا پڑے ہیں، وہی حال لفظ "شاعر" کا ہے۔ ہم ہر ایسے شخص کو جو نثر کو کسی طرح بھی نظم کر لیتا ہے شاعر کہنے لگے ہیں، حالانکہ اس معزز لقب کے مستحق ہونے کے لئے اُن بہت سے اوصاف اور کمالات کی ضرورت ہے جن کے نام سے بھی اکثر لوگ واقف نہیں۔ نظامی عروضی جو تنقیدِ شعر کے ایک

مستند ماہر مانے جاتے ہیں اپنی کتاب "چہار مقالہ" میں لکھتے ہیں کہ شاعر کو سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر اور تمام علوم و فنون سے آگاہ ہو جانا لازم ہے کیونکہ شعر میں ہر علم و فن سے کام لینا پڑتا ہے اور شعر ہر علم و فن میں کام آتا ہے۔ شعر کا بڑا مقصد بقائے نام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی شخص نے جوانی میں مشہور شعرا اور مستند ادبا کے بیس ہزار شعر اور دس ہزار نثر کے برجستہ فقرے از بر نہ کئے ہوں اور قدیم استادوں کے دیوان اس کی نظر سے نہ گزرے ہوں اور عروض و قافیہ اور نقد معانی و الفاظ، سرقات و تراجم کی کتابیں کسی معتبر استاد سے نہ پڑھی ہوں۔ اس معیار کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو اس معزز طبقہ میں شمار کئے جانے کے قابل ہرگز نہیں پاتا۔ البتہ ٹوٹی پھوٹی نظم ضرور لکھ لیتا ہوں اور یہ شغل ایسے زمانہ سے جاری ہے جب کہ طالب علمی میں لکھنے پڑھنے اور ملازمت میں مختلف سررشتوں کے سرکاری کاموں سے سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر ان دونوں زمانوں کا سرمایہ، تمام تعلیمی اور کارگزاری کے اسناد، اہم کاغذات اور مختصر نقد و جنس کے ساتھ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں چوروں کے نذر ہو گیا، جس پر آج تک کف افسوس ملتا اور عرفی شیرازی کی ہمنوائی کرتا ہوں ؎

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام

عمرِ در باختہ را بارِ دگر باختہ ام

عرفی پُرگو شاعر اور اس اتلاف کے وقت نوجوان تھا وہ اس حادثہ پر دل کو
اس طرح تسلّی دے لیتا ہے

گفتہ گو شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

مگر میرے لئے یہ تسلّی بھی مفقود ہے۔ اب جذبات میں نہ پہلا سا جوش و خروش باقی ہے اور نہ طبیعت میں پہلی سی جولانی اور روانی۔ نہ وہ احباب ہیں اور نہ وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی محرک ہوتی تھیں، ان حالات میں تلافی مافات کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

قدیم کلام کا جو حصّہ بعض بیاضوں اور پرچوں پر رہ گیا ہے وہ اس قدر پراگندہ اور پریشان ہے کہ اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا خود شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ میرے ایک فرزند رشید احمد ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) نے کچھ کلام بہ مشکل جمع کر لیا ہے جو شاید کسی وقت طبع کے قابل ہو جائے۔ البتہ جو غزلیں ۱۳۳۷-۳۸ف میں عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہ کے مشاعروں کے لئے لکھی گئیں وہ ایک حد تک محفوظ ہیں۔ اگر یہ ادبی صحبت جاری رہتی تو عجب نہیں کہ ضائع شدہ سرمایہ کی کچھ تلافی ہو جاتی، مگر اس صحبت میں بعض حضرات کی سوء تدبیری سے کچھ ایسے لوگ شریک ہو گئے جو معاشرتی، اخلاقی اور علمی تینوں حیثیتوں سے اس ادبی انجمن میں جگہ پانے کے مستحق نہ تھے۔ ان کے

ناشائستہ اعمال اور نازیبا حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحبت بہت جلد درہم و برہم ہو گئی اور اب کسی ایسی ادبی انجمن کے قیام کی بظاہر اُمید بھی نہیں کی جاسکتی ؎

درچمن از کہ مراعات ادب داری چشم

بلبلاں مست، صبا بےخود و گل بےپروا

کہتے ہیں کہ فارسی شاعری کی ابتدا قصیدہ سے ہوئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے بھی نظم نویسی اسی صنف شعر سے شروع کی۔ علی گڑھ کالج کی بی اے کلاس کے فارسی نصاب میں قاآنی کے چند قصاید داخل تھے۔ مولانا شبلی فارسی کے پروفیسر تھے۔ مولانا مرحوم ان نادرالوجود استادوں میں تھے جو نہ صرف کسی مضمون کو پڑھا اور سمجھا دینے بلکہ اس مضمون کے ساتھ شاگردوں میں حقیقی دلچسپی پیدا کر دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم و مغفور کی دلچسپ اور موثر صحبت اور شاگردی کا یہ اثر ہوا کہ ہم میں سے بعض طلبہ فارسی میں ٹوٹی پھوٹی نظم لکھنے لگے اور سب نے قاآنی ہی کا طرز اختیار کیا۔ کالج سے نکلنے کے بعد بعض ساتھی تو شعرگوئی کی علت سے بالکل پاک اور صاف ہو گئے اور بعض نے فارسی چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کی اور اچھے شعر کہنے لگے۔ مگر میں اس علت کے قدیم جراثیم اپنے دماغ سے نکالنے میں آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ جب موقع ملتا ہے اور آب و ہوا موافق پاتے ہیں یہ جراثیم اُبھر آتے ہیں اور اسی زبان میں جس میں ساٹھ ستر برس پہلے ہمارے آبا و اجداد لکھتے پڑھتے تھے کچھ گرم و سرد

کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ البتہ تجربہ نے اتنا ضرور بتا دیا ہے کہ قاآنی نے جس قدیم سبک (روش) کو زندہ کرنا چاہا اور نہایت کامیابی کے ساتھ زندہ کر دکھایا، اس کا تمام تر دارومدار صنعت ترصیع پر ہے اور یہ صنعت اگرچہ جڑاؤ زیور کی طرح نظر فریب اور خوش نما ضرور ہے مگر اندر سے پولی اور کھوکھلی ہے۔ مبصران فن اس نکتہ سے واقف ہیں کہ جب اس صنعت کے التزام کے ساتھ شعر کہا جاتا ہے تو بیت کا پہلا مصرعہ تو شاعر کے قابو کا ہوتا ہے، اس میں جو چاہے کہہ لے مگر دوسرا مصرعہ اس کے قابو کا نہیں رہتا، اسے عام طور سے مصرعہ اوّل کے قالب میں ڈھالنا اور اسی کی صدائے بازگشت بنانا پڑتا ہے۔ میں اپنے ہی ایک قصیدہ کے جو ٹھیک پینتالیس سال قبل کا کہا ہوا ہے، چند اشعار بطور مثال پیش کرتا ہوں، جس سے میرا بیان غالباً زیادہ تر واضح ہو جائے گا۔

چو دی روز خورشید سر زد ز خاور — در آمد غزال غزل خوانم از در
رہا کردہ بر تن دو گیسوئے مشکیں — فروہشتہ بر رخ دو زلفِ معنبر
دو تابندہ عارض دو مہرِ درخشاں — دو پیچیدہ کاکل دو پیچیدہ اژدر
بزیرِ دو اژدر دو مہرِ درخشاں — بروئے دو مہرِ درخشاں دو اژدر
دو چشمِ سیاہش دو جادوئے فتاں — دو رنگین لبانش دو لعلِ فسوں گر
بجائے دہن تعبیہ کردہ رماں — بجائے سخن عاریت کردہ شکر

ہر بیت کا دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو، صاف نظر آتا ہو کہ اُسے پہلے مصرعہ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہو، جس سے ادائی مقصد کے میدان کا تنگ ہو جانا ایک لازمی اور لابدی امر ہو۔ قاآنی ساطباع، قادرالکلام اور ہمہ داں شخص اپنی طباعی، قادرالکلامی اور ہمہ دانی کے زور سے اس صنعت کے تمام مراحل خیر و خوبی کے ساتھ طے کرجاتا ہو مگر ایک ہندی نژاد سبتدی کے لیے اس راستہ پر چل چلنا سخت دشوار تھا۔ ہندی نژاد اور مبتدی تو ایک طرف خود ایران کے مستعد اہل زبان نے شعرائے طبقہ متوسطین یعنی نظیری، شفائی صائب، عرفی وغیرہ کا جادہ چھوڑ کر قاآنی کی روش اختیار کی اور شاہراہ سخن سے ایسے بھٹکے کہ جب تک پھر کوئی قاآنی سی زبردست ہستی ان کی رہنمائی نہ کرے ان کا صحیح جادہ پر آنا مشکل معلوم ہوتا ہو۔ مختصر یہ ہو کہ جو طرز پہلے اختیار کیا گیا تھا اسے چھوڑ کر اب جو کچھ اور جب کبھی کہتا ہوں اس میں شعرائے طبقۂ متوسطین کی تتبع کی کوشش کرتا ہوں۔ اس فیضان اور تتبع کے سوائے فن شعر میں نہ کسی کا تلمذ رہا اور نہ اب ہو۔ البتہ صحبت ایسے بزرگوں سے رہی جو اس فن میں ممتاز اور سر برآوردہ سمجھے جاتے تھے۔ آنکھ کھول کر اپنے خاندانی بزرگوں مثلاً مولانا حاجی حکیم معصوم علی مسیح، منشی حافظ احسان علی فصیح، مولوی حکیم سرفراز علی زخمی کو دیکھا جو اپنے زمانہ کے مشہور سخن گو اور سخن شناس تھے، اپنے آبا اور اجداد مثلاً مولوی احمد علی احمد، مولانا مخدوم بخش بخشش اور

مولانا مہدی علی بسمل کا کلام سنا اور پڑھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں مولانا محمد اسحٰق اسرائیلی، علامہ شبلی، مولانا حالی، میرزا محمد تقی کمال الدین سنجر اصفہانی کی صحبتوں سے فیض پہنچا۔ حیدرآباد میں سنادالملک[1] مولوی سید علی شوستری طوبیٰ مولوی فضل رب[2] عرشی قاآنی ہند، گرامی، ترکی، مولوی عبدالجبار خاں آصفی

[1] سنادالملک اعلی اللہ مقامہ میرے حال پر بطور خاص عنایت فرماتے تھے۔ ان کا جو عنایت نامہ آتا تھا اس میں کوئی قطعہ یا رباعی ضرور تحریر فرماتے تھے جو بطور مرحوم کی یادگار کے درج ذیل ہیں:

مسعود علی حبیبِ مسعود من ست　　ہم ذوق قدیمی ست و مودود من ست
در ہر جائے کہ او ملاقات کند　　باللہ کہ آں مقام محمود من ست

دیگر

مسعود از ازل بہ علی شد سعادتت　　برپاست ہمچو شمس نجابت نجادتت
اے آفریں بفطرۃ دسعد مرحبا بخلق　　کز خلق احمدی ست ہمانا رشادتت

دیگر

مسعود علی کہ سعد ششش اقبال بود　　انشاء اللہ فزونئش اقبال بود
ہر کس کہ بدشش گوید و بدخواہ ویست　　در زیر سم سمند پامال بود

[2] مولوی فضل رب عرشی مرحوم قصبہ تاج پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ غیر معمولی طبیعت پائی تھی۔ قاآنی کے رنگ میں لکھتے تھے اور اس قابلیت اور قوت کے ساتھ لکھتے تھے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سخن شناس بھی ان کے اور قاآنی کے کلام میں تمیز نہیں کرسکتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کل کلام ان کے شاگرد مظفر جنگ مرحوم نے غالباً طبع کرانے کے خیال سے منگالیا تھا مگر خود ان کا انتقال ہوگیا اور اس طور سے ان کا تمام عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔ اگر وہ مل جائے تو اس کے طبع اور اشاعت کا انتظام ہوجانا باآسانی ممکن ہے۔ مرحوم نے اکثر نظمیں میرے لئے لکھی تھیں مگر وہ میرے پاس سے بھی ضائع ہوگئیں۔

مولانا عبد الغنی خاں غنیؔ مولوی محمد جعفر زہری، حیدر یار جنگ طباطبائی مرحومین اور
علامہ عمادی اور نواب ضیا یار جنگ بہادر ضیاؔ مد ظلہما کے ساتھ شعر و سخن کے تذکرے
اور پر لطف صحبتیں رہیں۔ اسی میں اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی
نواب میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہ و سلطنتہ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و
اصلاح اور عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت دام اقبالہ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے تو میرے
مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔ باوجود اس کم بضاعتی اور
کم استعدادی کے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی کی مسند نشینی کے
وقت سے اس وقت تک ذات ہمایونی کی مداحی اور دعاگوئی کا شرف حاصل
کرتا رہا ہوں اور اس لحاظ سے شاید میرا یہ دعویٰ غلط نہ ہو کہ میں سرکار کا
قدیم ترین مداح اور دعا گو ہوں۔ میری مداحی ذات شاہانہ کے حقیقی اوصاف کے
اظہار کی غیر کافی کوشش اور میری دعاگوئی حضرت اقدس کے بے شمار الطاف کی
ناتمام شکر گزاری ہے۔ میں نے جو مدح کی ہے اسے حتی الامکان مبالغہ کی رنگ آمیزی
اور غلو کی نقش پردازی سے دور رکھا ہے۔ میں نے قدیم شاعروں کی طرح ممدوح کے
تیغ و سناں، پیل و اسپ، کاخ و ایوان، باغ و بستان کی تعریف کر کے کلام کو زینت
دینے کی کوشش نہیں کی اور نہ مجھے اس کی ضرورت تھی، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے
اپنے فضل و کرم سے ممدوح کی ذات بابرکات میں اتنے صفات جمع کر دیئے ہیں کہ

نہیں کے اظہار سے کسی مداح کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ اسے فرضی خوبیوں کی تلاش یا حقیقی اوصاف میں مبالغہ کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے میں نے ایک قصیدہ میں عرض کیا ہے ؎

منکر، گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ ۔۔۔ در بحرِ مدح پائے ثنا در گرفتہ است

ہر آنچہ گفت مجوِ ہمی آنزادہ دیدہ گفت ۔۔۔ بر ناطقہ زباصرہ محضر گرفتہ است

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ذات ہمایوں کی دادگستری، علم دوستی، معارف پروری، غریب نوازی، سیاست دانی، فیض رسانی، سادہ زندگی، اصلاح معاشرت، تزئین مملکت، سخن گوئی، سخن فہمی کی حقیقی تعریف و توصیف ہے جس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اعلیٰ حضرت کا کلام بلاغت نظام وقتاً فوقتاً مقامی اور بیرونی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے، جس سے ہر سخن فہم اور سخن سنج اس کی لطافت، فصاحت اور بلاغت کا خود اندازہ کرسکتا ہے۔ مگر سخن فہمی اور سخن سنجی کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں حضرت کی پیشگاہ میں کسی نظم کے پڑھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے جو لوگ اس عزت سے شرف یاب ہوئے ہیں وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظم میں کوئی اچھا شعر ایسا نہیں ہوتا جس پر حضرت کی دقیقہ رس نظر نہ پڑے اور اس کی معقول داد نہ ملے۔ جن اشعار پر اعلیٰ حضرت شعرا کی دل افزائی اور تحسین فرماتے ہیں وہ فی الحقیقت تمام نظم کی جان ہوتے ہیں۔

قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ شعر گوئی مشکل ہے یا شعر فہمی، فانی کشمیری سے (جن کو غنی کی استادی کا ادعا اور غنی کو اس سے انکار تھا) کسی شخص نے یہی سوال کیا تھا، اس کے جواب میں فانی نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

بس کہ نافہمیدہ نتواں یک سخن فہمیدہ گفت
شعر گفتن پیش شاعر بہ ز فہمیدن بود

اسی مضمون کو ملک الشعرا کلیم نے بہتر طریقہ سے ادا کیا ہے وہ کہتے ہیں ؎

کس بجز شاعر تلاش معنی فہمد کلیم
شعر فہماں جملہ صیاد اند صید بستہ را

ذات ہمایوں میں چونکہ سخن گوئی اور سخن فہمی کے دونوں اوصاف جمع ہیں اس لئے ہر سخن گو اپنی کاوش اور محنت کی پوری داد پاتا ہے اور غیر پیشہ ور شاعر کے لئے سب سے بڑا یہی صلہ ہو سکتا ہے۔

اس مختصر معروضہ کے بعد مجھے صرف یہ بتانا رہ جاتا ہے کہ فارسی ادبیات کے ان بیش بہا جواہر کی موجودگی میں جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی ادبی خزانہ نہیں کر سکتا اس محقر اور مختصر بضاعت کو اس کساد بازاری کے زمانہ میں معرض نظر میں لانے کی ضرورت کیوں اور کس طرح واقع ہوئی حقیقت حال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے بست و پنج سالہ جشن جلوس کی خوشی سے رعایا کا ہر طبقہ اور ہر طبقہ کا ہر فرد بشر متاثر اور مسرور ہے اور چاہتا ہے کہ اس موقع پر اپنی عزیز سے عزیز چیز اپنے

رعایا پرور بادشاہ کے نذر کرنے کی عزت حاصل کرے۔ میرے پاس بجز دعا اور ثنا کے اور کیا تھا اس لئے میں نے اسی حقیر بضاعت کو بامید شرف قبول پیش کرنے کا تصفیہ کیا۔ علاوہ اس کے پیش گاہ حضرت خداوند نعمت سے دو مرتبہ بہ نظر دل افزائی ارشاد ہو چکا ہے کہ تمھارا جو کچھ کلام دست برد زمانہ سے باقی رہ گیا ہے اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام اپنی زندگی میں کر لینا چاہیے ورنہ شاعر کے مرنے کے بعد اس کا کون خیال کرتا ہے۔

خداوند عزوجل اپنے فضل و کرم سے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی عمر و صحت اور اقبال و دولت میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے جن کے جشن جوبلی اور اس کریمانہ و حکیمانہ ارشاد کی بدولت مجھے ان چند مدحیہ قصائد کی طباعت اور اشاعت کی توفیق ہوئی ورنہ میرا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے ؎

عمل بسیار علم بر مکن کہ مردم را
رہے سلیم تر از راہ بے نشانی نیست

خاکسار
مسعود علی محوی، بی اے (علیگ)
سابق سشن جج
حیدرآباد (دکن) ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظم نشان (۱)

کہ حسب فرمائش عالی جناب شہاب جنگ مختار الدولہ افتخار الملک مرحوم سابق معین المہام کوتوالی و تعمیرات عامہ - بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی - بہ قیام گاہ عالی جناب موصوف مقام نارین مرتب شد ۱۳۳۱ف[1]

بند اوّل

روزے ایں شاہ نشیں شاہ نشیں[2] خواہد شد | با تو اے خواجہ بگفتم کہ چنیں[3] خواہد شد

مرحبا اہلاً وسہلاً شہِ خورشید کلاہ | کز قدوم تو زمیں چرخِ بریں خواہد شد

۱؎ یہ نظم جس موقع کے لئے لکھی گئی تھی بعض وجوہ سے اس موقع پر نہ پڑھی جا سکی - ۲۹ رجب ۱۳۳۶ھ کو ایک جلسہ "طبقہ خدام علم" کی طرف سے سال گرہ مبارک کی تقریب میں بصدارت عالی جناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت دام اقبالہ فتح میدان کی عمارت میں منعقد ہوا تھا، اس میں یہ نظم پہلی مرتبہ پڑھی گئی - عالی جناب سر مہاراجہ بہادر اور جناب عماد الملک مرحوم مغفور نے جن الفاظ میں میری دل افزائی فرمائی وہ اس قدر تعجب انگیز نہ تھی جتنی سر افسر الملک مرحوم کی قدردانی جلسہ برخاست ہونے کے بعد سر افسر الملک میرے پاس تشریف لائے اور مصافحہ کر کے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا تھا کہ اب بھی ہم لوگوں میں فارسی میں ایسے شعر کہنے والے لوگ موجود ہیں" دوسرے دن مجھے چائے پر بلایا اور پھر یہ نظم سنی اور دیر تک مولانا شبلی مرحوم وغیرہ کا ذکر کرتے رہے

۲؎ ایک بلند مقام سرکار کی رونق افروزی کے لئے تیار ہوا تھا "اسی کو "شہ نشیں" سے تعبیر کیا ہے -

۳؎ شہاب جنگ مرحوم کی طرف سے دعوت کا معروضہ پیش ہوا تھا بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سرکار اسے منظور فرما کر تشریف فرما ہوں گے بعض لوگ اس کے خلاف تھے - مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے کہا کہ سرکار ضرور تشریف فرما ہوں گے - اسی طرف اشارہ ہے

کاخ و کاشانہ زفر تابِ نظر خواہد تافت   بام و در ضو فگن از نورِ جبیں خواہد شد
از جمالت چو مکاں کسبِ ضیا خواہد کرد   از جلالت شرف اندوزِ مکیں خواہد شد
تابشِ مہر بیک ذرّہ نخواہد کاہید   ذرّہ رخشندہ تر از ماہ مبیں خواہد شد
گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت   سکّۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
چرخ بے دام و درم بندہ صفت خواہد گشت   ملک بے چون و چرا ملکِ یمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے   مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد
پردہ از عظمتِ غرناطہ بخواہد افتاد   قصّۂ شوکتِ بغداد یقیں خواہد شد
صولتِ غزنی و دہلی و بخارا و دمشق   ہست افسانہ کہ با عقل قریں خواہد شد

کار سخت ست سرانجام کماہی نشود
تا بر و صرف ہمہ ہمّتِ شاہی نشود

بند دوم

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن   دل در او بستن و اسباب مہیّا کردن
از پے عدل کمر بستن و محکم بستن   وعدۂ رفعِ ستم کردن و ایفا کردن
چشم بر قول کہ "الناس علیٰ دین ملوکہم"   تا تواں مشربِ خود پاک و مصفّا کردن
شہ نما آئینۂ نیست بعالم ، باید   سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن
قوم را آب ز سرچشمۂ حیواں دادن   ملک را زندہ باعجازِ مسیحا کردن
رایتِ فضلِ نگوں گشتہ ، ببالا بردن   دفترِ علم پراگندہ بیک جا کردن

بہرِ ترویجِ فنون و پے تکوینِ ہنر — مقدمِ اہلِ کمالات تمنّا کردن
بذل و امساک ز کہسار بباید آموخت — قطرہ قطرہ بہم آوردن و دریا کردن
زیستن طفل صفت پاک ز آلایشِ دہر — رائے چوں پیر زدن کارِ چو برنا کردن
جہد ہا کردن ولیکن پئے مشکوریِ جہد — تکیہ بر لطفِ خداوندِ تعالیٰ کردن

آنکہ بے ہمّتِ او جہد بجائے نرسد
حلِّ مشکل نہ شود برگ و نوائے نرسد

بند سوم

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بفغاں بکشاید
خویش را زار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوئے اُمّتیاں بکشاید
کیست آں مرد کہ از ملّتِ بیضائے رسول — دستِ شر بندد و آغوشِ اماں بکشاید
کیست آں رستمِ دوراں کہ پئے شاہِ عرب — ہفتخوانِ ستمِ دورِ زماں بکشاید
کیست آں مہدیِ موعود کہ در آخرِ عہد — پرچمِ دیں ز کراں تا بکراں بکشاید
تیغ با کلک نگیں را بہ علم باید داشت — تا بدیں فضل و ہنر باز جہاں بکشاید
تا زمانہ دگر از طعنہ زباں بر بندد — تا دگر چرخ ز آزار میاں بکشاید
تا رخِ غوطہ دگر بار بتابد چو چمن — تا سرِ دجلہ دگر آب رواں بکشاید

۱؎ غوطہ سوادِ دمشق کی ایک مشہور نزہت گاہ تھی جو قدیم زمانہ میں دنیائے اسلام کے عجائبات میں شمار ہوتی تھی

۲؎ دجلہ وہ دریا ہے جس نے صدیوں عباسیانِ بغداد کی شان و شوکت کا تماشا دیکھا اور خود ان تماشوں میں شریک رہا ہے۔ شعر کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی قدیم عظمت اور بزرگی پھر عود کر آئے۔

راست گویم که دعا از دل خوں گشتۂ قوم ۔۔۔ ہمچو تیرے ست کہ از سخت کماں بکشاید

مفتی شہر ندانم کہ چنیں بے خبر است

با تو ای شاہ کہ گفتست؟ دعا بی اثر است

بند چہارم

اجرا ایں کار زدارائے جہاں خواہی دید ۔۔۔ خلق آسودہ در آغوش اماں خواہی دید

دستِ "دستور" ہمہ گیر و قوی خواہد شد ۔۔۔ بازوے "قاعدہ" باتاب و تواں خواہی دید

فتنہ را بستۂ زنجیرِ بلا خواہی یافت ۔۔۔ ظلم را کشتۂ شمشیرِ زیاں خواہی دید

داد را پایہ و مقدار اگر خواہی داد ۔۔۔ ملک را پاک نہ بیداد گراں خواہی دید

از مسیحا نفسے گر تو دمے خواہی زد ۔۔۔ قالبِ قوم نہ بے روح رواں خواہی دید

ہرچہ در فہم نہ آید بجہاں خواہد شد ۔۔۔ انچہ در وہم نگنجد بہ عیاں خواہی دید

از دعائے کہ بہ ہر صبح ہزاراں گویند ۔۔۔ اے گلِ تازہ نہ آسیبِ خزاں خواہی دید

ابتدائے شرف و عزت و شان ست ہنوز ۔۔۔ شاد ماں باش بسے عزت و شاں خواہی دید

محویا شاہ خریدارِ ہنر گشت و کنوں ۔۔۔ نرخِ ایں جنس ببازار گراں خواہی دید

بہ مثل گر تو کلیمی[۱] بہ سخن آرائی ۔۔۔ شاہ را ہم بعطا شاہجہاں خواہی دید

شاہ چوں صیرفیاں عیب و ہنر می سنجد

باش یک چند ترا نیز بزر می سنجد

---

۱ کلیم ہمدانی عہد شاہجہانی کا ملک الشعرا تھا۔ ایک سال نوروز اور عید شوال ایک ہی دن واقع ہوئی" اسی دن بادشاہ نے کشمیر کے سفر سے واپس آ کر تختِ طاؤسی پر جلوس فرمایا تھا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵)

نظم نشان (۳)

کہ بپائے سر بلند جنگ مرحوم و مغفور سابق میر مجلس عدالت عالیہ سرکار عالی نوشتہ شد

یہ نظم سر بلند جنگ مرحوم و مغفور کے بڑے اصرار سے لکھی گئی تھی۔ اس زمانہ میں سر بلند جنگ مرحوم عدالت عالیہ سرکار عالی کے میر مجلس اور میں معتمد مجلس تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب ہائی کورٹ کی جدید عمارت جس کے متعلق مجلس موصوف کے تمام عہدہ دار غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے بن کر تیار ہو تو اس کے افتتاحی جلسے میں یہ نظم پڑھی جائے، مگر افسوس ہے کہ ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ جس وقت اس عمارت کے افتتاحی جلسہ کی نوبت آئی، نہ وہ میر مجلس تھے اور نہ میں معتمد مجلس، ایک الہ آباد میں مجبور اور دوسرا لکھنؤ میں مہجور تھا۔ افتتاحی جلسہ کی خبر سن کر میں نے اس کی ایک نقل حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے ملاحظہ میں گزراننے کے لئے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دی تھی مگر جہاں تک معلوم ہوا وہ پیش نہ کر سکے۔ جب مجھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس موقع پر کلیم نے ایک قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خجستہ مقدم نوروز و غرّۂ شوال
فشاندہ اند چہ گلہائے عیش بر سر سال

شاہجہاں نے قصیدہ سن کر حکم دیا کہ کلیم چاندی میں تول دیا جائے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیم بہت دبلا پتلا آدمی تھا، ساڑھے پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہ لے سکا۔ دینے کا طریقہ تھا جس سے یہ قصہ آج تک مشہور چلا آتا ہے، ورنہ دُور کیوں جائیے، خاندان آصفیہ کے فرماں رواؤں نے اس سے بہت زیادہ مقدار میں شعرا کو انعام دیئے ہیں۔ حضرت غفران مکان (میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور) نے داغ مرحوم کو یکمشت اسّی ہزار روپے عنایت فرمائے۔

یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میں نے ڈاک کے ذریعہ سے براہ راست حضرت اقدس و اعلیٰ کی پیشگاہ میں ایک نقل گزرانی۔ یہ نظم بھی میرے دوسرے کلام کے ساتھ لکھنؤ میں ضائع ہو گئی تھی ایک دوست کی بیاض سے نقل کی جاتی ہے:-

بند اوّل

پیک می آید و ہر لحظہ خبر می آید | شاہ می آید و با شوکت و فر می آید
چشم خلق ست ہمہ شوق کہ در معرض دید | مردم دیدۂ ارباب نظر می آید
میر عثمان علی خاں شہ صدیق نشاں | با علوم علی و عدلِ عمر می آید
میرسد گرم عناں بہر دل افزائی عدل | وز پے رفع ستم بستہ کمر می آید
می کشاید درِ ایوانِ عدالت کہ ازاں | خانۂ جور و جفا زیر و زبر می آید
می دہد آب بگلزارِ عدالت کہ ازاں | شاخِ امیدِ خلائق بہ ثمر می آید
فضل را مژدہ کہ امروز بہ جمعِ فضلا | جامع فضل و کمالات و ہنر می آید
می سپارد رہِ دلجوئی مخلوقِ خدا | بر نشانِ قدم جدّ و پدر می آید
ہر خیالے[1] کہ پدر بست پسر کرد تمام | از پدر آنچہ نیامد ز پسر می آید
از ازل رسم ہمین ست دریں دیر دو در | مہ چو در پردہ رود مہر بدر می آید
قسمتِ ملک ازیں بہ چہ تواند بودن | ہر یکے کار کیا[2] بہ ز دگر می آید

[1] ہائی کورٹ کی تعمیر اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفراں مکاں کے عہد میں شروع ہو چکی تھی مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضرت موصوف انتقال فرما گئے۔ [2] بادشاہ، فرماں روا۔

عدل و انصاف بہ ہر دور فزوں می گردد
جور و بیداد بہ ہر روز زبوں می گردد

بند دوم

عیش آساں نشود، امن ہویدا نشود — تا پئے دادگری ساز مہیا نشود
از ضعیفاں نشود دستِ تطاول کوتاہ — تا دل و بازوی انصاف توانا نشود
پادشاہے نکند شیوۂ انصاف پسند — تا بر فضلِ خداوند تعالیٰ نشود
تا بہ ارکانِ عدالت ندہند آزادی[۱] — کار ایں محکمہ شایستہ و زیبا نشود
رائے انصاف چو آزاد نباشد عجب است — گر ہمہ ملک پُر از شورش و غوغا نشود
قاضیاں گر بہ ہراسند ز بہمان و فلاں — ہرگز انجام ز شاں کار قضایا نشود
مطمئن گر نہ بود خاطرِ قاضی از فکر — مطمئن بر مجلس ملک و رعایا نشود
نشود فصل قضایا چو بآئین درست — صورتِ امن و اماں قائم و پیدا نشود
نائب پادشہ و خادم شرع اند قضاۃ — خدمت ملک ازیں برتر و بالا نشود
کاتب و حاجب و درباں ہمہ خدام شہ اند — [۲] ہر ذرہ درخشندہ مگر لولوئے لالا نشود

۱ یہ وہ زمانہ تھا کہ مجلس عدالت عالیہ کو کوتوالی اور خصوصاً کوتوالی بلدہ کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدارات کی وجہ سے مقدمات کے بے لاگ تصفیہ میں بے حد دقتیں پیش آتی تھیں اور لوگوں پر بے حد سختیاں گزرتی تھیں۔ الحمد للہ اس زمانہ میں ان نقائص کی بڑی حد تک اصلاح ہو گئی ہے۔

۲ میں نے اپنی نظموں میں بعض مغربی خیالات اور مثلوں کی ترجمانی کی کوشش کی ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔ انگریزی مثل ہے All is not gold that glitters

کارِ ہر عضو بدیوانِ بدن مخصوص ست — نطق شنوا نشود، سامعہ گویا نشود

اندریں نکتہ کہ نغز ست نظر باید کرد

قدرِ ہر بندہ بمقدارِ ہنر باید کرد

بند سوم

شاہِ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد — ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد

کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد — عالمے را بہ دمِ تیغ و سناں نگزارد

بر ضعیفانِ ستم کش نہ گمارد ظالم — گرگ را بر سرِ ایں گلہ شباں نگزارد

دید از غصہ و غم شور بعالم برخاست — خواست از ظلم و ستم نام و نشاں نگزارد

"داد"[1] آوارہ و سرگشتہ بگردید بسے — عزم فرمود کہ زیں بیش چناں نگزارد

"داد" را داد چنیں قصرِ معلّیٰ کہ بہ لطف — نام در دہر ز فردوس و جناں نگزارد

گفتم اے "داد محل"[2] خیز و نظر کن چمنے — کہ بہارش چمن آرا بخزاں نگزارد

---

[1] مجلس عدالت عالیہ کے لئے ایک زمانہ دراز سے کوئی موزوں اور مناسب مکان موجود نہ تھا۔ میری معتمدی کے زمانہ میں مجلس قدیم عمارت سے جو شاہی عاشور خانہ کے محاذی واقع تھی سر آسمان جاہ مرحوم کے خانہ باغ، اور خانہ باغ سے باغ عامہ اور باغ عامہ سے نواب سالار جنگ بہادر کی بارہ دری میں منتقل ہوئی، اسی بنا پر "داد" کو آوارہ اور سرگشتہ کہا گیا ہے۔ [2] جہاں اب ہائی کورٹ تعمیر ہوئی ہے وہاں قطب شاہیوں کے زمانہ میں ایک عالی شان عمارت تھی جو "داد محل" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ خاندان قطب شاہی کے فرماں روا اسی عمارت میں مقررہ ایام اور اوقات پر اجلاس کرتے اور رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ ہائی کورٹ کی تعمیر کے وقت اس محل کی بنیادوں کے بڑے بڑے پتھر برآمد ہوئے تھے جو اپنے بانیوں کی عظمت اور دنیا کی بے ثباتی کی داستان سناتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محل بھی دوسری شاہی عمارتوں کے ساتھ موسیٰ ندی کی ایک طغیانی میں تباہ ہوا تھا۔

گفت خامش کہ دریں دائرۂ نقص و زوال | ہیچ جز نام نکو دورِ زماں نگزارد
می بُرد دُردکشی صاف کشی می آرد | خالی ایں میکدہ را پیرِ مغاں نگزارد
آنکہ دارد دلِ بیدار و سرِ پنجۂ قوی | قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد
بحث و تکرار بہ تاثیرِ دعا بے سود ست | رسمِ خود محوی آشفتہ بیاں نگزارد

کارِ ایں شاہِ فلک مرتبہ با آئیں باد
"ایں دعا از من و از روح امیں آمیں باد"

نظم نشان (۳)

بہ تہنیت سالگرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار دام اقبالہ سنہ ۱۳۴۴ ف

ع "زاہلِ درد شنو قصۂ زلیخا را"

بیا بہ بزم و بدہ جلوہ روئے زیبا را | ببر ز خاطرِ ما حسرتِ تماشا را
بیادِ روئے تو تسکینِ دل تواں کردن | ولے چہ چارہ کنم چشمِ ناشکیبا را
ز بختِ خویش چہ گویم کہ سجدۂ درِ تو | بسانِ حرفِ غلط محو کرد سیما را
بہ تنگیٔ دل و وسعِ خیالِ حیرانم | بقطرہ چوں ہم آوردہ اند دریا را
ہزار رنگِ تماشا شکستہ اند و ہنوز | ہزار رنگ تماشاست چشمِ بینا را
امید و یاس تو صافی دلاں چہ می پرسی | گزشتہ اند ز دل نقشِ ہر تمنا را
مکن ہوس کہ رسی تا حریمِ کعبۂ دل | نکردہ طے سفرِ جاں گدازِ صحرا را

بکوئے دوست بہ ہر خطوہ ہست جائے نماز
بخاکِ کعبہ چہ می گستری مصلّا را

تفاوتے نکند شاہِ عشق در زن و مرد
بیک کمند کشد وامق و زلیخا را

درین زمانہ اگر کس رہِ وفا پرسد
نشاں دہند باو آشیانِ عنقا را

سبک گزشت ہراں مردِ عاقبت اندیش
کہ ہرچہ یافت ز دنیا بداد دنیا را

نشستنِ منِ بیچارہ از قناعت نیست
زبس دویدہ ام و رنجہ کردہ ام پا را

نوائے تازہ سرایم باین ادا کہ کشم
زجا بسوئے چمن بلبلانِ شیدا را

(مطلع)
بیا ز حجلہ بروں جانِ من تماشا را
کہ رشکِ باغِ جناں کردہ اند دنیا را

کشید ابر بسر سائبانِ استبرق
فگند سبزہ بہ ہر سو بساطِ دیبا را

زفرطِ نشو و نما نامیہ برابر کرد
بلند و پست و نشیب و فرازِ صحرا را

برائے بادہ کشی رعد می زند ہر دم
صلائے عام حریفانِ بادہ پیما را

زجاں فزائیِ بادِ بہار بارِ دگر
بچشم دید جہاں معجزاتِ عیسیٰ را

نسیمِ صبح چو بر رشتۂ آبِ نرم وزید[۱]
نگار خانۂ چیں کرد روئے دریا را

گرفتہ اند زشاخِ درختِ سبزۂ تر
مذکّرانِ چمن منبر و مصلّیٰ را

بمقصد آنکہ چو محوی کنند ورد زباں
دعائے دولت و اقبالِ شاہِ والا را

جہانِ عدل کہ در روزگارِ معدلتش
زمانہ کرد فراموش عدلِ کسریٰ را

---

[۱] اس دل فریب منظر کا صحیح تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے سکون کی حالت میں سمندر کو دیکھا ہے ۱۲

مدبرے کہ بہ تدبیرِ عقل و حسنِ عمل ‌ ‌ ‌ فزود فرّہ و فرہنگِ دین و دنیا را

شہے کہ کرد مسخّر بزورِ تیغِ قلم ‌ ‌ ‌ زمینِ شعر و سخن، ملکِ لفظ و معنی را

سخنورے کہ بہنگامِ گلفشانیِ او ‌ ‌ ‌ ببست بلبلِ گویا زبانِ دعویٰ را

عطائے بے حدِ او بہرِ نشرِ علم و ہنر ‌ ‌ ‌ زیاد برد عطاہائے معن[51] و یحییٰ[52] را

سحابِ در رسِ فیضِ او نہ تشنہ گذاشت ‌ ‌ ‌ زمینِ یثرب و خاکِ دیارِ بطحیٰ را

سحابِ رحمتِ عامش ہمی کند سیراب ‌ ‌ ‌ مجاورانِ حسین و علیِ اعلیٰ را

بجنبِ پستیِ دیں پروری ز دست نداد ‌ ‌ ‌ دثارِ پیشروان و شعارِ آبا را

ز صلحِ کل کرد سروران آزاد است ‌ ‌ ‌ نمود دور پراگندگیِ اجزا را

[51] ابوالولید معن بن زایدہ عرب کے مشہور سرداروں میں تھا۔ اس کی جواں مردی، فیاضی اور معارف پروری کے سیکڑوں قصے مشہور ہیں۔ اس کے مرنے پر جتنے مرثیے لکھے گئے، شاید ہی کسی امیر کے مرنے پر لکھے گئے ہوں۔ مروان بن ابی حفصہ اس کے خاص مداح کے مرثیہ کے اس شعر کو تاریخی شہرت نصیب ہوئی ؎

وقلنا این ترحل بعد معن ❊ وقد ذهب النوال فلا نوالا

اور ہم (شعراء) نے کہا کہ معن کے بعد کہاں جائیں، حقیقت یہ ہے کہ داد و دہش کا خاتمہ ہوگیا، اب داد و دہش کہاں ہے؟ یہ درد انگیز اور موثر شعر اس قدر مشہور ہوا کہ چھوٹے بڑے، امیر غریب سب کی زبانوں پر جاری ہوگیا۔ مروان جب مہدی عباسی کے دربار میں اس کی مدح میں قصیدہ پڑھ کر انعام کا متوقع ہوا تو مہدی نے کہا کہ تم خود کہہ چکے ہو کہ معن کے بعد داد و دہش کا خاتمہ ہوگیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ اس سال مروان کو دربار سے ناکام واپس جانا پڑا۔ دوسرے سال مروان پھر آیا اور اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ مہدی نے تھوڑا سا سن کر دریافت کیا کہ تمہارے قصیدہ کے کتنے شعر ہیں۔ مروان نے عرض کیا، ایک سو۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کو فی شعر ایک ہزار درہم دیئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی عہدِ حکومت میں یہ ایک لاکھ درہم کا پہلا انعام تھا (ابنِ خلکان)۔

[52] یحییٰ برمکی ہارون الرشید عباسی کا عالم فاضل اور فیاض وزیر اور فضل اور جعفر سے مشہور بیٹوں کا باپ تھا۔

یگانۂ کہ زبیگانگی نشاں نگزاشت | کشاد بر رخ ہر کس درِ تولا را
باو شرف زنشان و نگین و تمغا نیست | شرف از اوست نشان و نگین و تمغا را

بیانِ مدح تمامش نہ حدِّ امکان ست
بہ بندہ محویِ ناداں زبانِ گویا را

برائے نذرِ تو شاہا سخنورانِ کہن | سپردہ اند بمن بندہ ایں گہرہا را[1]
(حافظ) صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را | کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را
(فیضی) تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی | تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را
(صیدی) اُمیدِ وصل ندارم بدوستی سوگند | اسیرِ عشق نمی داند ایں تمنّا را
(ظہیر فاریابی) جزائے حسنِ عمل بیں کہ روزگار ہنوز | خراب می نکند بارگاہِ کسریٰ را
(نظیری) زنقطہ حرف شناسانِ کتاب داں شدہ اند | بچشمِ کم منگر نقطۂ سویدا را
(غالب) فروختیم متاعِ سخن بدیں فریاد | کہ قدر دہ بادشناسندگانِ کالا را

(سلمان) بصورتیکہ تو خواہی و نیک خواہانت
ہزار سال بمانی ہزار معنیٰ را

[1] اس قافیہ اور بحر کے جو بہترین اشعار اساتذۂ قدیم کے میری نظر سے گزرے وہ اہلِ ذوق کی تفریحِ طبع کے لیے یہاں بطرزِ مناسب پیش کر دیئے گئے ہیں ۱۲

نظم نشان (۴)

بہ تقریب سال گرہ مبارک ۱۳۴۰ھ

قصد مقام صبر و رضا کردہ ایم ما — بر ہر عطائے دوست دعا کردہ ایم ما
آوردہ ایم ہدیہ بہ ہر ناز او، نیاز — بر ہر ادائش شکر ادا کردہ ایم ما
ناموس خانوادہ و عزّ و وقار علم — بر دوست ہر چہ بود فدا کردہ ایم ما
اقرار بے گناہیِ خود، جز گناہِ عشق — با صد ہزار صدق و صفا کردہ ایم ما
ہاں سرخوشی و رندی و مستی و عاشقی — این جملہ کردہ ایم و بجا کردہ ایم ما
جشنِ ولادتِ شہِ عثماں علی ست، باز — ہنگامۂ نشاط بپا کردہ ایم ما
سرمستِ عشرتیم و مے خوش گوار عیش — با نائے و چنگ بذل و سخا کردہ ایم ما
بے مایہ بود واعظِ خود سر زبیک و جام — بیچارہ را ببازد نوا کردہ ایم ما
در بزم وعظِ شیخ بہ افسردگانِ چند — مے وعدہ کردہ بود وفا کردہ ایم ما
[1]
. . . .
در آرزوی بخشش و عفو خدائیگاں — گر کردہ ایم جرم و خطا کردہ ایم ما
یک عمر صرفِ خدمتِ ایں آستانہ شد — تا مو سپید و پشت دوتا کردہ ایم ما

---

[1] یہ قصیدہ ۴ رجب المرجب ۱۳۴۰ھ کو ایک درخواست کے ساتھ گزرانا گیا تھا۔ جو اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں ان میں اسی درخواست کا تذکرہ تھا۔

پاسِ نمک، حفاظتِ حق، بندگیِ شاه — داند خدا چه کرده چه ناکرده ایم ما

در گلستانِ مدح خداوند، همسری — با عندلیب نغمه سرا کرده ایم ما

مقبول باد عذر پراگنده خاطری — گر لغزشے بمدح و ثنا کرده ایم ما

آمین شنیده ایم ز روحانیانِ قدس — هر جا که بهر شاه دعا کرده ایم ما

محوی گناه چیست، ز دستِ خدائگاں
گر انتظارِ فضلِ خدا کرده ایم ما

نظم نشان (۵)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک ۱۳۴۲ھ ف بر مصرعِ طرح فرمودہ سرکار دام اقبالہ

بقید هفت بیت

بیا جشنِ همایونست از فضلِ خدا امشب — دگرگون است دل آویزیِ ارض و سما امشب

زمین در حالتِ وجد و طرب مستانه می جنبد — پئے عیشِ جهان عام است از گردون صلا امشب

که افشانده است دامانِ تلطف بر سرِ عالم — که می خیزد نشاط انگیز هر موجِ هوا امشب

ز سر پا کرده می آیند از هر سو هواخواهان — نمی دانند این دلدادگان سر را ز پا امشب

ز فیضِ عام و بخششهائے بے اندازهٔ شاهی — بصد برگ و نوا گردیده هر بے نوا امشب

رهِ عشاق را یک پرده بالاتر بزن مطرب — که می رقصد شرابِ عیش در مینا نها امشب

بگوشم می رسد آوازِ تحسینِ سخن سنجاں — غزل خوان است شاید محوی شیوا نوا امشب

نظم نشان (۶)

اولیں نظمے ست کہ بشرفِ باریابی سرفراز شدہ عرض نمودہ شد
یکم شوال ۱۳۳۵ھ

پیری و ضعیفی ست نہ زور ست نہ مال است — لب تشنہ و جاں سوختہ ام بادہ سوال ست
اے ساقیِ دریا دلِ ما خیز کہ امروز — عید ست و بہار ست و روانِ باد شمال ست
ہر گل کہ سراز شاخ کشد شاہدِ رعنا ست — ہر تار کہ از ابر چکد عقدِ لآل ست
برخیز بصد ناز و دو سہ جام بہ پیما — زاں بادہ کہ در مشربِ ہر چار حلال ست
بہ یاد رخِ حضرتِ عثمان علی خاں — کو پاک دل و پاک گہر، پاک خیال ست
گردونِ وفا، مہرِ عطا، ماہِ فتوت — دریائے کرم، بحرِ سخا، ابرِ نوال ست
از سایۂ او ہست برومند جہانے — ہر چند ہنوز او بجہاں تازہ نہال ست
بر خویشتن اے خاکِ دکن بال کہ امروز — عنقائے شرف بر تو کشادہ پر و بال ست
در مدحِ تو اے شاہ ندانم چہ سرایم — در شرحِ کمالِ تو مرا ناطقہ لال ست
در عہدِ تو آسودہ ہمہ رکنِ شریعت — وز ملکِ تو آوارہ ہمہ کفر و ضلال ست
ہر نقطۂ رنگیں کہ زکلکِ تو تراود — بر چہرۂ رخشائے فصاحت خد و خال ست
در خیلِ ثنا خوانِ خودش گیر کہ محوی[1] — شیریں سخن، اعجاز بیاں، سحر مقال ست

---

[1] یہ نظم اور خاص کر یہ شعر میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس نظم کے پیش از
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۶)

از عہدِ قدیم ست ثنا خوان و دعا گو ۔۔۔ ہم خادمِ دیرینہ و ہم خیر سگال ست

یارب بجہاں باد بقائے تو باقبال

تا از مہ و خورشید شمارِ مہ و سال ست

نظم نشان (۷)

در تہنیت سالگرۂ مبارک رجب ۱۳۴۲ھ

چعدِ بلندِ او دلِ مضطر گرفتہ است ۔۔۔ شاہینِ حسن بیں کہ کبوتر گرفتہ است

حبل المتین صبرِ مرا زور پنجہ اش ۔۔۔ با تارِ عنکبوت برابر گرفتہ است

سر می کشد بچرخِ بریں از غرورِ حسن ۔۔۔ آب رخش طبیعت آذر گرفتہ است

بے پردہ حسنش از درو بام ست جلوہ گر ۔۔۔ با صد ہزار پردہ کہ بر در گرفتہ است

آں نازنیں سوار کہ اقلیم ہائے دل ۔۔۔ بے یاری و حمایتِ لشکر گرفتہ است

نازش نگر کہ خاکِ مرا می دہد بباد ۔۔۔ ہر چند خود ز خاکِ مرا بر گرفتہ است

شادم بایں کرشمہ کہ خود وعدہ نداد ۔۔۔ از ما اگرچہ وعدہ مکرر گرفتہ است

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اس کے پسند کئے جانے کے متعلق جب میرے قدیم عنایت فرما رضی الدین احمد صاحب المخاطب بہ عماد جنگ ثانی کو جو میری بدقسمتی سے اس زمانہ میں کوتوال بلدہ ہو گئے تھے، اطلاع ملی تو انھوں نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنے ایک رازدار دوست سے جو الفاظ فرمائے ان کا اعادہ بے سود ہے۔ اس کے بعد نہیں جو کچھ کرنا تھا وہ انھوں نے کیا اور خدا کو جو کچھ کرنا تھا وہ خدا نے کیا اور خدا ہی کا کرنا سب پر غالب رہا۔ یہ موقع اس دُکھ کی داستان کے چھیڑنے کا نہ تھا مگر میری تمام نظموں میں جا بجا اس واقعہ اور اس کے نتائج کی طرف اشارے موجود ہیں، اس لئے مجملاً اس قدر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بیچارہ عاشقے کہ بامیدِ یک نگاہ / دل از نعیم ہر دو جہاں برگرفتہ است

محوی کجا رود ز درش چوں ز ابتدا / یک در گرفتہ است و ہمیں در گرفتہ است

بگزار حسن و عشق، سخن از نشاط گو / چوں ایں ہوا بمغزِ جہاں در گرفتہ است

جشن ست بزم رونقِ دیگر گرفتہ است
ساقی بجلوہ آمد و ساغر گرفتہ است

بربط نواز بربطِ ہجراں کشیدہ را / چوں یار، برکشادہ و در بر گرفتہ است

مطرب بشعرِ دلکش و آوازِ دل فریب / راہِ مدیحِ شاہ مظفر گرفتہ است

شاہِ زمانہ حضرتِ عثماں کہ ذکرِ او / از شرق تا بغرب سراسر گرفتہ است

ہر جا کہ شورِ نعرۂ اللہ اکبر ست / نامش خطیب بر سرِ منبر گرفتہ است

در ارتفاعِ ملت و در ارتقائے قوم / قصب السبق ز طغرل و سنجر گرفتہ است

جز دستِ او کجاست دریں تیرہ روزگار / دستے کہ دستِ دینِ پیمبر گرفتہ است

عنقائے ہمتش پئے احراز نام و ننگ / اسلام را چو بیضہ تہِ پر گرفتہ است

از نیّرِ توجہِ گیتی فروزِ او / شمعِ علوم زندگی از سر گرفتہ است

آراستہ ہم معاش از آں ہم معادِ ملک / بنگر بیک کرشمہ دو کشور گرفتہ است

مشّاطۂ سلیقۂ او روئے شہر را / ہمچوں عروس در زر و زیور گرفتہ است

نازم بیاں لطافت و شیرینیِ سخن / گوئی کہ در دہاں ہمہ شکر گرفتہ است

ہم دادہ است دادِ سخن، ہم بہائے شعر / گر ہدیۂ سخن ز سخنور گرفتہ است

روزِ ازل ز حضرتِ دارائے دو جہاں
عقلِ حکیم و بختِ سکندر گرفتہ است

منکر گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ
در بحرِ مدح پائے شناور گرفتہ است

ہر آنچہ گفت محوی آزادہ دیدہ گفت
بر ناطقہ ز باصرہ محضر گرفتہ است

صد سال زی کہ بہرِ تو شاہا! دعائے ما
منشورِ طولِ عمر ز داور گرفتہ است

نظم نشان (۸)

در تہنیت سالگرہ مبارک و ذکرِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بدہلی سنہ ۱۳۴۴ھ

فصلِ گل آمد دگر پہنائے عالم روشن ست
مجمعِ رندانِ میکش باز صحنِ گلشن ست

بر ہمیں بادِ شمال و بر بسیارہ آبِ رواں
زیرِ پا فرشِ زمرد بر سرا برِ بہمن ست

شبنمِ شاداب افشاندہ ست خرمنہا گہر
زاں گہر دشت و جبل پر کردہ جیب و دامن ست

بلبلِ باغِ محبت می سراید ایں غزل
باد می رقصد نشادی شاہدِ گل گفتن ست

(غزل)

ہر ادائے نازت اے ناز آفریں برق افگن ست
تا توئی پیشِ نظر ہر دشت دشتِ ایمن ست

جلوہ گاہِ حسنِ تو تنہا نہ باغ ست و بہار
منظرِ زیبائے تو ہر کوچہ و ہر برزن ست

ہر کسے داند بسوئے خود رخِ تابانِ تو
ہمچو آں شمعے کہ پیشِ اہلِ محفل روشن ست

در حریمِ سینہ می سوزم چراغِ داغِ عشق
در چراغِ زندگی تا قطرۂ از روغن ست

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنسہا ست — گرمیِ بازار را لیکن سبب این یک تن ست
اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں — تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست
عشق پیدا کن کہ در عشق ست لذتہا بسے — سوز و سازِ عاشقی روشنگرِ جان و تن ست
چشم بند از خلق تا بینی رموزِ کائنات — چشم بربستن ز عالم چشمِ دل وا کردن ست
تخمِ نیکی کار اینجا گرچہ باشد کم ز جو — آنچہ کاری دانہ است امروز فردا خرمن ست
دستگیرِ ہمنشیں شو کم مباش از چوبِ خشک — چوب در دریا نگر چوں دستگیرِ آہن ست
شادی تنہا نہ ایام از صاحب دلاں — راست گر پرسی دریں ایام صاحبدل دن ست
می دہد ہر تشنہ لب را جامہا از بادۂ — کاں روان افروز، عشرت آور و غم افگن ست

چہرۂ یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد — عمرہا بگذشت می گویند شب آبستن ست
آفتابِ دین و دولت، شمعِ بزمِ علم و فن — نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست
حضرت عثماں علی خاں، آنکہ ذکرِ خیرِ او — چار سو پرشیدہ در عالم چو بوئے چندن ست
از کتابِ فضلِ بے اندازۂ شاہانہ اش — ہر حکایت دلکش ست و ہر روایت احسن ست
پادشاہِ ماست یا ہارون و یا مامونِ عہد — حیدرآباد ست یا علم و ہنر را معدن ست
جشنِ میلادِ شہ والاست در شہرِ طرب — یا صدائے زندہ باش و یا صدائے ارغن ست

ذکرِ سفرِ مبارک

شہسوارِ ما کمر بستہ است بر عزمِ سفر —— میمنت جائے جنیبت، فتح جائے توسن ست

بر سرِ تاجِ شہامت سایۂ بالِ ہما ست / زیرِ پاے توسنِ اقبال فرقِ دشمن ست
رونقِ بازوے پُرزور ست گر حرزِ دعا / عقدِ حسنِ اعتقادِ خلق زیبِ گردن ست
زیں ہمہ بگزر دعاے خلق بہرِ پادشاہ / ہم فسونِ تیغ بند و ہم دعاے جوشن ست
تا ابد پایندہ بادا بارگاہِ آصفی / کاں غریباں راست ملجا بیکساں را مامن ست

جز رفنِ مہر و وفا از محویِ مسکیں مجو
نیک میدانی کہ آں بیچارہ مردِ یک فن ست

نظم نشان (۹)

در تہنیت جشنِ سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۳۶ف

تا عشقِ تو روشنگرِ آئینۂ جان ست / ہر جوہرِ حسنش کہ نہاں بود عیاں ست
در چشمِ فسوں سازِ تو گر آبِ بقا نیست / از چیست کہ ہر موجِ نگاہت رگِ جاں ست
لطفِ تو نہ تنہا ست دواں پرورِ عالم / ہم قہرِ تو اے آفتِ جاں راحتِ جاں ست
حسنِ تو گلستانِ جہان ست کہ آں را / نے ذوقِ بہار ست نہ اندوہِ خزان ست
سوداست وصالِ تو، زیان ست فراقت / جز ایں نشناسم کہ چہ سود و چہ زیان ست
از بندۂ مجبور چہ پرسی زبد و نیک / چوں رشتۂ توفیق بدستِ دگران ست
غافل مشو از عشق کہ ایں عشقِ فسونگر / دردے ست چہ دردے کہ دواے تن و جاں ست
افتادہ بہ ہر زاویہ دلہاے شکستہ / کوے تو مگر کارگہِ شیشہ گران ست

از قافلهٔ رفته ندانم زکه پرسم ؟ زنگوله خموش ست و جرس بسته زبان ست
بے مهری گردون و جفا کاری اعدا چون فضل خداوند که بیرون ز بیان ست
دارائے دکن حضرت عثمان علی خان کو بانی امن ست و مبانی امان ست
هر دم بزبان ست مرا مدح تو ای شاه هر چند که مدح تو نه یارائے زبان ست
دارم هوس مدح تو هر چند که نطقم ژولیده و پیچیده تر از زلف بتان ست
برائے عوام هر چه که پیدا ست هویدا برائے تو هر آنچه نهان ست عیان ست
با عقل تو عقل عقلا هیچ میرز ست با علم تو علم علما هیچ مدان ست
فضل ست که از فضل تو شد شهرهٔ آفاق عدل ست که از عدل تو با نام و نشان ست
هر نظم تو فصلے ز بدیع ست و بلاغت هر شعر تو شرحے ز معانی و بیان ست
از جور حریفان سیه کار چه پرسی این قصهٔ پارینهٔ گرگان و شبان ست
از تهمت اعدائے فسونساز چه ترسی چون دامن تو پاک تر از آب روان ست
جز شور و شر از حاسد بیچاره چه خیزد مه نور بعالم فگند سگ بفغان ست
از همت مردانه کش دست که در دهر اندازهٔ هر کار باندازهٔ آن ست
از چشم بد اندیش میاندیش که سویت آن چشم که یک لحظه نخوابد نگران ست
مردان فلک مرتبه را در صف هیجا هر زخم که آید بجبین کاهکشان ست
آن گرد که خیزد ز سم اسپ سواران در معرکه آرایش رخسار یلان ست
سر زد به تولائے تو از مشرق طبعم این مطلع تابنده که خورشید جهان ست

جشن ست و نشاط ست و جہاں باز جوان ست

آمادۂ صد عیش زمین ست و زمان ست

آں دخت کہ دیروز بہ خم حجلہ نشیں بود امروز نگر دستخوش پیر و جوان ست

از بادِ بہار ست چناں ہر روش گل گوئی کہ چمن ہر نگہ بادہ کشان ست

از بذلِ غریباں نشود بادہ بہ خم کم این نکتہ مرا گوش زد از پیرِ مغان ست

ذاتِ تو باد و صافِ کریماں بجہاں باد تا نامِ کریماں ز کریمی بجہان ست

مقبولِ نظر خاطرِ مجموعِ تو بادا

این نظم کہ از محوی آشفتہ بیان ست

نظم نشان (۱۰)

تہنیت عید الفطر ۱۳۳۸ھ

از زلفِ سر آسیمہ ز بالا بہ بلا داشت جز این دو جفا دوست جفائے نہ روا داشت

آسیمہ ز لفیم کہ دل را بہ ادا برد ما کشتۂ چشمیم کہ اندازِ حیا داشت

جاں خواست جراحت نہ جراحت کہ نوع حسیبت دل کرد طلب بوسہ نہ بوسے کہ دوا داشت

گاہے نفسِ سرد و گہے اشکِ ندامت پروردۂ ایکم کہ این آب و ہوا داشت

جز از حرم کعبہ نکردند تماشا ہر چند کہ اورنگِ تماشا ہمہ جا داشت

یک حرف بہ تسکینِ دلِ خستہ نہ فرمود — آں لعل کہ از بر ہمہ قانونِ شفا داشت
بر شاہ سعید آمد و بر ملک ہمایوں — ایں عید کہ سرمایۂ صد مجد و علا داشت
مقصود ز شہ حضرت عثمان علی خاں ست — کو دولت و اقبال بتائیدِ خدا داشت
ہر کار کہ او کرد ہمہ بذل و عطا بود — ہر عہد کہ او بست ہمہ صدق و صفا داشت
با تاب و تواں گشت ز بازوش عدالت — بے برگ و نوا از کرمش برگ و نوا داشت
ہم عقل حکیمانہ و ہم طبع سخن سنج — ہم حفظ گراں پایہ و ہم ذہن رسا داشت
از بسکہ ز توقیر و شرف کعبۂ جاں بود — دلہا بسوئے خود صفتِ قبلہ نما داشت
در سایۂ او علم و ہنر بال و پر آورد — آں سایہ مگر خاصیتِ بالِ ہما داشت
ایں گل ز کجا بود ندانم کہ دریں فصل — ہم رنگِ دل آویزی و ہم بوئے وفا داشت

در مدح اگر طول ز دو حرف عجب نیست
محوی کہ ہمہ نطق و بیاں صرف دعا داشت

نظم نشان (۱۱)

حسب ایمائے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی بہ مشاعرۂ سالگرہ مبارک
منعقدۂ عالی جناب سر مہاراجہ یمین السلطنہ خواندہ شد
۱۳۴۲ ف

ایں گنجِ دو عالم وجودِ انساں ست —— ہمیں کلید نہاں خانہائے امکان ست

جهان فضل و کمالش چو بنگری بینی — که ذره ذرهٔ آن آفتاب تابان ست
دخان مسخر او گشت، برق فرمان بر — قضا بچاکری او، هوا بفرمان ست
زہے زمانہ کہ خیل ہنروران امروز — بزورِ عقل توانا تر از سلیمان ست
گمان مبر کہ دریں کار دستِ قدرت نیست — کرشمۂ خرد ست این، خرد ز یزدان ست

گذر ز ذکرِ عروجِ ہنروران و ہنر
ز حسن و عشق سخن گو کہ روح و ریحان ست

ز دل مپرس مسلمان کہ نامسلمان ست — ہمیں بس ست کہ از جان فدائے جانان ست
حکایتِ دلِ پرخون و دیدۂ خون ریز — ہمان حکایتِ گلچین و گلفروشان ست
نظارہ گاہِ جہان بود جلوہ گاہِ بتان — حریمِ دل کہ کنون خانقاہِ ویران ست
حدیثِ حسنِ تو یا رب کہ در چمن آورد — کہ غنچہ بستہ، گل آشفتہ، لالہ حیران ست
ز دیدِ لالہ و ریحان کجا شود مسرور — نگہ کہ خوگرِ حسنِ بہارِ خوبان ست
شگوفہ می برد اندیشہ را بسوئے دہان — بنفشہ یاد دہِ زلفِ عنبر افشان ست
کجا شکیب قتیلِ نگاہِ الفت را — ز نرگسے کہ بہ ترکیب چشمِ فتان ست
ز خارِ خشک چہ رانی سخن کہ ہم گلِ تر — ز عندلیب جگر خون کشیدہ دامان ست
رسیدہ ام بمقامِ فسردگی کہ دران — نہ برق خندہ زن ست و نہ ابر گریان ست
بحالتے کہ ستم قہر و مہر ہر دو یکے ست — برتبہ کہ توئی شکر و شکوہ یکسان ست
مدارِ چشمِ زلیخائے تن بعودِ شباب — ہنوز یوسفِ روحِ روان بزندان ست

ز قرب با من و پیدائی کناره چه سود | کنونکه کشتیِ عمرِ روان بطوفان ست
رسید کوکبهٔ شهسوارِ حسن کجاست | کسی که گوی زن عشق و در میدان ست
کدام نشترِ دردِ تو بر گلو زده اند | که بسملِ خونِ محبت روان ز شریان ست
نه درد مندِ تو منت کشِ دوا وائی | نه تشنهٔ تو طلبگارِ آبِ حیوان ست
جنون نوازی و دلسوزی بیابان را | ز قیس پرس که پروردهٔ بیابان ست
کجا کجا برهم اندر جنون گریبان را | دو دست منتظر اند و یک گریبان ست
قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاه | وگرنه لاله و گل در چمن فراوان ست
بذیلِ عفو چه پوشند گناهِ ما واعظ | که خود تنش ز لباسِ عفاف عریان ست
گرفته است سراسر جهانِ عز و شرف | سخن که جوهرِ تیغِ زبانِ انسان ست
نه عاقلی ست طلب کردنِ بهای سخن | درین زمانه که شعر از شعیر ارزان ست
بهای شعر کجا داد شعر هم نه دهند | اگرچه شعرِ تو خوشتر ز درِ عمان ست
هر آن دیار که خالی شد از سخن سنجان | بهشت هرزه سرا و دوزخ سخندان ست
به بزمِ شاد چنان سرخوش ست مرغِ چمن | که زیرِ پردهٔ هر برگ گل غزلخوان ست
بوصفِ ذاتِ همایونِ پادشاهِ دکن | که فردِ عهدِ خود ست و حکیمِ دوران ست
اساسِ معدلت ست و جهانِ علم و هنر | سپهرِ مکرمت ست و محیطِ احسان ست
نقاوهٔ همم ست و خلاصهٔ تدبیر | ستوده خرد ست و گزیدهٔ جان ست
خرد پژوه و خرد پرور و خرد مایه | سخن شناس سخن گستر و سخندان ست

چراغِ روشنِ آن دودمان که صیتِ سخاش — گرفته هند و دکن تا بحدِ ایران ست
فروغِ تازهٔ آن سروران که گردنِ ملک — زعقدِ منّتِ شان زیرِ بارِ احسان ست
شها بمدحِ تو هر آنچه گفته ام صدق ست — هر آنچه گفته خود صد هزار برهان ست
بعدل و داد تو شکر ست بر همه واجب — ز بذل و لطفِ تو انکار عینِ کفران ست
ضیائے عقلِ تو تابان بسانِ خورشید ست — هوائے لطفِ تو باران چو ابرِ نیسان ست
بدست دار دلِ مستمند خلقِ خدا — همین نگین و همین خاتمِ سلیمان ست
خدا دهد بتو هر آنچه از خدا خواهی — دعاست مختصر و معنیش فراوان ست
بشب درست شد این سلکِ صبح آوردم — به نذرِ شاه که جوهر شناسِ این کان ست
ازین شرف که زمداحیِ تو محوی یافت — هزار منتش از روزگار بر جان ست

نظم نشان (۱۳)

به تهنیتِ عیدِ اضحی سنه ۱۳۳۴ ف

هزار راه ز هر سو بمنزلِ یار ست — چه بنگری همه آفاق پر ز آثار ست
که جلوه کرد که عالم منور ست ز حسن — که رخ نمود که گیتی برنگِ گلزار ست
چه مے که ریخته ساقی بقالبِ خاکی — که مشتِ خاک ازان مے هنوز سرشار ست
کدام نغمه که مطرب سرود در مستی — که مست و بیخود ازان نه سپهرِ دوار ست
که تاب داده دگر بار زلفِ مشکیں را — که باز دامنِ دل پر ز مشکِ تاتار ست

چہ صنعت ست کہ برپاست بے ستون این سقف // فدائے صنعت او این کدام معمارست
بوصفِ او چہ شوم تر زباں کہ در صفتش // ہر آنچہ مے نگری بے زبان بگفتارست

بگوش بندہ ندائی سروشِ عالم غیب // چہ گفت۔ گفت کہ عالم طلسم اسرارست
بزورِ عقل نہ بکشاید این طلسم کسے // ز عقل دم مزن اینجا کہ عقل ناچارست
مشو فریفتۂ حسنِ دل کشِ دنیا // کہ این ضعیفۂ دیرینہ سخت مکّارست
قدم شمردہ بنہ در سفینۂ اعمال // ہوا مخالف و دریا بجوش و شب تارست
نگاہ دار دلِ ہمرہانِ سست قدم // تو تند می روی و آبگینہ دربارست[1]
لبِ پیالہ چہ بوسی کہ از مے دوشیں // ہنوز تلخی و ترشی بکام میخوارست
حدیثِ عشق چہ گوئی کہ این حدیثِ شریف // لسانِ مدحتِ شاہِ زمانہ دشوارست
جنابِ آصفِ ہفتم، خدیوِ ملکِ دکن // کہ بہرِ او ہمہ مدح و ثنا سزاوارست

[1] حضرت رسالت پناہ صلعم کے ساربانوں میں ایک شخص "انجشہ" نامی تھا جو بہت خوش آواز تھا جب وہ حدی گاتا تھا اونٹ مست اور بہت تیز ہو جاتے تھے۔ ایک سفر میں اس نے گانا شروع کیا اور جس اونٹ پر حرم محترم تھے وہ ضرورت سے زیادہ تیزی کرنے لگا تو آپ نے فرمایا "يا انجشه لا تكسر القوارير" یعنی اے انجشہ آہستہ ایسا نہ ہو کہ شیشے ٹوٹ جائیں۔ شیشوں سے آپ کا مقصد کجاوہ نشین بیبیاں تھیں۔ اس حدیث سے اکثر عربی اور فارسی شعرا نے مضامین اخذ کیے ہیں اُردو میں بھی اس کو میر انیس مرحوم نے بہت خوبی سے ادا کیا ہے

خیالِ خاطرِ احباب چاہئے ہر دم ❊ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زرائے مملکت آرائے او بجائے دہن — بہر کجا کہ قدم می نہی ہمین زارست

ہم اوست باعث توقیر ملت بیضا — ہم او معاون دین رسول مختار ست

وجود اوست کہ زاں روشن ست گوشۂ ہند — وگرنہ مطلع اسلام تیرہ و تار ست

زماں زماں صفت بادشاہ می گویم — زبان بندہ تو گوئی پئے ہمیں کار ست

پس ثنا ست دعائے درازی عمرش — کہ عمر او ہمہ صرف رضائے دادار ست

نشاط عید پئے بادشاہ دہ محوی را
ہمیں بس ست کہ او شادمان ز دیدار ست

نظم نشان (۱۳)

در تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۴۶ھ

باز گیتی مایۂ نشو و نما آوردہ است — شاخ بے برگ نوا برگ نوا آوردہ است

از ہجوم لالہ و گل وز قدوم نوبہار — باد نوروزی نوید جاں فزا آوردہ است

لازم حسن ست مستی شاہد گل را ازاں — شاخ گل سرمست بوئے خوش صبا آوردہ است

زرد روئے در خزاں نے سرخ پوشی اندر بہار — باغباں چوں سرو مارا یک قبا آوردہ است

تشنہ کامان محبت را برائے امتحاں — یار ما صد بار در کرب و بلا آوردہ است

علت ہر درد خود بینی ست واں در عشق نیست — عشق گوئی بہر ہر درد دوا آوردہ است

بستۂ فتراک عشقیم و نمی دانیم دوست — می برد مارا کجا و از کجا آوردہ است

می شوم بارِ دگر مفتونِ آں شوخے کہ او / بست نے عہدے نہ عذرِ ماجرا آوردہ است

در حریمِ بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ / خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است

حضرتِ عثمان علی خاں آصفِ ملکِ دکن / آنکہ در نظمِ جہاں فکرِ رسا آوردہ است

شاہِ ما دانی کہ از فطرت چہا آوردہ است
عقلِ دور اندیش و رائے بے خطا آوردہ است

در رگ و پے خون و ہم خوں گرمیِ آلِ رسول / در دل و جاں مہر و دینِ مصطفیٰ آوردہ است

جزم از عزمِ حسینؑ و لینت از خوئے حسنؑ / ہمتِ مردانہ از مشکل کشا آوردہ است

از تکلف ہائے بے معنی ست ہر دم محترز / در تنِ شاہانہ روحِ اتقیا آوردہ است

از بناہائے متین و ز بندہائے آبگیر / سیل را بہرِ عہدِ خود از آبِ بقا آوردہ است

در دیارِ مشرقی فرزانہ سلطان العلوم / از علومِ مغربی[1] گنجینہا آوردہ است

در گلستانِ فصاحت خامۂ گلریزِ او / صد نوا چوں بلبلِ شیریں ادا آوردہ است

مدحِ بے پایانِ شہ محوی ندارد انتہا / لاجرم مداح رو سوئے دعا آوردہ است

شاہ را ہر لحظہ دارد بہرِ او حق کامیاب
آنکہ از یک لفظِ "کن" ارض و سما آوردہ است

[1] دار الترجمہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت بندگانِ عالی کی شاہانہ توجہ سے مغربی علوم کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی اور ہو رہی ہیں۔

نظم نشان (۱۴)

به تهنیت سالگرہ مبارک ۱۳۳۶-۳۷ ف

بدوست یا دندارم مرا چه پیوندست
جز این دو حرف که من بنده او خداوندست

زمنکراں نه هراسم که بر محبتِ من
نگاهِ شوق گواه است و اشک سوگندست

تفاوت ست بسے درمیانِ عشق و هوس
هوس اگرچه بظاهر بعشق مانندست

چگونه از خم و پیچ بلا رها گردد
دلے که در شکنِ زلف پرشکن بندست

حدیثِ آں لبِ شیریں که در چمن آورد
که گل فشاند شکر غنچه در شکرخندست

بجلوه گاهِ جمالش چه بنگری کانجا
خرد رمیده و پیکِ نگه نظربندست

برنگِ شمع بروئے زمانه می خندیم
ز اشکباری ما گر زمانه خرسندست

بدامنِ ترِ ما شعله در نمی پیچد
وگرنه آتشِ سینا هنوز در زندست

زباں مبند ز ذکرش که یار می فهمد
زبانِ عشق اگرتا زلیست فرزندست

کجا کجا بزند بخیه سوزنِ تدبیر
که چاک چاک ز دستش همه جگر بندست

به پندِ غیر چه حاجت که بهرِ اهلِ نظر
جهاں بهرچه درو هست پند در پندست

زمانه با تو نسازد تو با زمانه بساز
صلاحِ ما در گیتی همیں لفظ فرزندست

سخن ز دردِ دلِ خویشتن مگو امروز
که جشنِ مولدِ شاه است و خلق خرسندست

شهے که با همه نوخیزی و جواں سالی
بسانِ پیر جواں دانش و خردمندست

برابرست بعدلش امیر اطلس پوش — بہ آں گدا کہ بہ نقش ہزار پیوندست

کشیدہ خوانِ عطا را باین کشادہ دلی — کہ بسط آں ز سراندیپ تا سمرقندست

ازاوست چشمِ ہنر پروری نہ از دگراں — ہنر بہ پرور آنکس کہ خود ہنرمندست

خطاب اوست پئے دل شکستگاں دارو — سخن ز فرطِ لطافت ہمہ گل و قندست

نوائے دل کش ازیں بہ چہ گوش گل شنود — ز بلبلے کہ سر آشفتہ دل پراگندست

ہرا کشیدہ ہوائے یگانگی محوی — دراں دیار کہ بیگانہ خویش و پیوندست

برائے شاہ دعا می کنم کہ نخلِ دعا — ز آبِ دیدہ چو سیراب شد برومندست

نظم نشان (۱۵)

کہ از لکھنؤ گزرانیدہ شد غالباً سنہ ۱۳۳۱ ف

ہر کرا روئے یار در نظرست — فارغ از دید جلوۂ دگرست

در سرِ عاشقانِ پختہ خیال — ہرچہ جز یار ہست دردِ سرست

حاصلِ باغِ زندگی دردست — دلِ بے درد نخلِ بے ثمرست

جنت از لطفِ دوست یک نگاہ — دوزخ از قہرِ یار یک شررست

مانہ مستِ بادہ و جامیم — نشۂ ما ز عالمِ دگرست

چارہ گر ہم بسوئے دل نظرے — کہ دلم خستہ تر ہم از جگرست

نگذارد قدم ز جادہ بروں — ہر کرا خضرِ شوق راہبرست

جوہرِ شوق و گوہرِ اخلاص　　پاک چون جانِ شاہ دادگرست
میر عثمان علیؔ خدیوِ دکن　　کہ بعالم بہر دمی سمرست
میرود نام او زملک بملک　　در حضر خویش و نام در سفرست
نامِ نیکش گرفتہ است جہان　　زین سفر کان وسیلۂ ظفرست
دلِ او صاف رائے او روشن　　عقلِ او تیز چشمِ حق نگرست
ملک را کارساز و کارکشا　　قوم را چارہ ساز و چارہ گرست
حیدرآباد زیرِ سایۂ او　　منبعِ فضل و چشمۂ ہنرست
گردِ او اہلِ فضل ہالہ زدہ　　او خود اندر میانہ چون قمرست
ہمہ گو آفتابِ عالمتاب　　بمثل در سپیدۂ سحرست
عہدِ مامون و روزگارِ رشید　　چشمِ بد دور باز در نظرست
می کند سنجری و در خیلش　　انوری و معزّی و عمرست
می کند اکبری و در بزمش　　صد چو فیضی و فضل و بیربرست

می کند قہر و می نوازد نیز　　قہرِ او قہرِ مادر و پدرست
ہم عتابش خبر دہد از لطف　　ہمچو تندر کہ مخبرِ مطرست

اے شہ دین پرست قوم پناہ　　گرچہ برپا بہ ہند شور و شرست

تا توئی ناخدا سفینۂ ما — از نہنگانِ بحر بے خطرست
ملک آسودہ از نزولِ بلاست — تا چو تو سایۂ خدا بسرست
می رود کاروانِ دیں بے باک — تا چو تو رہنما و راہبرست
کم نہ وصفت نہ نطقِ من قاصر — چکنم وقت را کہ مختصرست
بہ کہ دستے برآورم بدعا — کہ دعاہائے خستہ را اثرست
باد حکمِ تو در جہاں نافذ — تا زمیں زیر و آسماں زبرست
محوی خستہ باد مدح سرا — تا بکامش زبانِ نکتہ ورست

نظم نشان (۱۶)

۱۳۳۱ف

(یہ پہلی نظم ہے جو لکھنؤ سے واپسی کے بعد ملاحظۂ اقدس میں گزرانی گئی تھی)

شہ سلیمان زمان ست و مسیحِ زمن ست — حامی ملت و دیں ماحیِ کفر و فتن ست
در تنِ مردۂ ایں بندہ دگر روح دمید — ذکر ایں معجزۂ تازہ بہ ہر انجمن ست
گفت میکال، مبارک کہ براتِ رزقت — باز بر دولتِ پائندۂ شاہِ دکن ست
نیست ممکن کہ ترا جاں دہر و ناں ندہد — آنکہ روزی دہِ یک مملکتِ مرد و زن ست
گفتمش ہیچ ندانی کہ شہ از عہدِ قدیم — مالک و خواجہ و مختار و خداوندِ من ست
ہر حکایت ز دل آویزیِ لطفش مرغوب — ہر روایت ز جہانگیریِ خلقش حسن ست

قلعهٔ بستهٔ افسون عدوی بشکند ۔۔۔ زور بازوئے خداوند کہ خیبر شکن ست
در سخن پایہِ ادب دار نه دانی محوی ۔۔۔ شاہ پیغمبر شعر ست و خدائے سخن ست

نظم نشان (۱۷)

بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مد ظلہ العالی

بہ بیدر بغرض افتتاح راہ آہن ۱۳۳۷ف

امروز از قدومِ ہمایوں چو گلشن ست ۔۔۔ شہرے کہ یادگار ز شاہانِ بہمن ست
صد شکر شمع کشتهٔ اقبالِ این دیار ۔۔۔ امروز از فروغِ رخت باز روشن ست
باید شنید زمزمهٔ شکر این قدوم ۔۔۔ از بانیش کہ احمدِ[1] جنت نشیمن ست
باید نهاد گوش بر آوازِ آفرین ۔۔۔ از خواجهٔ جهاں[2] کہ بدانش سر همن ست
آں جاں نثارِ ملک کہ از خونِ ناحقش ۔۔۔ ایں سرزمیں چو دستِ عروساں ملوّن[3] ست
آں خفتگاں کہ دامنِ صحرائے ایں دیار ۔۔۔ از مرقدِ منورِ ایشاں مزیّن ست
ابنائے روزگار کہ اندر فراقِ شاں ۔۔۔ تا ایں زمانہ مادرِ گیتی بشیون ست

۱؎ احمد شاہ بہمنی جس نے گلبرگہ سے دارالسلطنت کو بیدر میں منتقل کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں

۲؎ خواجہ جہاں محمود گاواں علیہ الرحمہ خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف وزیر تھا جسے محمد شاہ بہمنی نے اپنے عہد حکومت میں قتل کرا دیا

۳؎ بیدر کی مٹی گہرے سرخ رنگ کی ہے

شاہانِ بہمنی و گروہِ بریدیان	ق	در مدحِ پادشاہِ زماں این فن است
نشو و نمائے باغ توئی باغ گر جہانست		روحِ روانِ ملک توئی ملک گر تن است
ہم می دود بخدمتِ تو قاصدانہ برق		ہم رہبرت بدشت و جبل راہ آہن است
دشمن اگر نہ چشم کند وا گناہِ اوست		ہر کارِ تو دگرنہ چو خورشید روشن است
بالجملہ ایں گروہ چو محوی پئے دعا		افراختہ دو دست و فراکردہ دامن است

نظم نشان (۱۸)

باظہار تشکر و امتنان نسبت صدور فرمان عطوفت نشان بعطائے خدمت

بہ بندہ زادہ رشید احمد ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ۳۷-۱۳۳۶ ف

در حقِ بندہ زادہ چو عز ورود یافت		فرمانِ شہ کہ موجبِ صد افتخار ہست
کردم دعائے دولت و گفتم کہ ایں عطا		درکارنامہائے کرم یادگار ہست
ہنگام انتشار و پراگندہ خاطری		سرمایۂ تسلیِ جانِ نزار ہست
امروز باز بندۂ دیرینہ سرفراز		از چشمِ التفات خداوندگار ہست
فضلش نخواست روزیِ ما تنگ تر کند		نقدانِ آں کفاف کہ در انتشار ہست
تابندہ باد بر سرِ عالم چو آفتاب		شاہِ دکن کہ تاجِ سرِ روزگار ہست
ہر رائے او چو رائے حکیمست سودمند		ہر حکمِ او چو حکمِ قدر استوار ہست
محوی ترا ز گردشِ ہفت آسماں چہ باک		تا بر سرِ تو سایۂ پروردگار ہست

نظم نشان (۱۹)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۳۴۳ف بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکا

ع "سرمہ در چشمِ حسیناں فتنۂ خوابیدہ است"

دیدنی ہا دیدہ و ہم نادیدنی ہا دیدہ است　　دیدۂ ما سیر از دیدِ جہاں گردیدہ است

زیں تماشا ہائے دیدست مردِ راہرو　　در گزرگاہِ جہاں چوں دیر پائیدہ است

ہیچ میدانی کہ ایں گلچینِ باغِ رنگ و بو　　در بہارِ نوجوانی دستہ ہا گل چیدہ است

عمرہا خوردست با یاراں شرابِ حسن و عشق　　سالہا در دامنِ ناز و نعم خوابیدہ است

ہر مئے دیریں کہ ساقی داشت در مینا شیشہ　　ہر گلِ رنگیں کہ سر زد از چمن بوئیدہ است

ایں مسلمانِ تازہ و دیرینہ گبر بت پرست　　در حریمِ کعبہ ہم عشقِ بتاں ورزیدہ است

بر دیارِ دل کہ اکنوں بینیش تاریک و تنگ　　آفتابِ کامرانی سالہا تابیدہ است

ریشۂ نخلِ تمنا در گلستانِ خیال　　بارہا پژمردہ گشت و بارہا روئیدہ است

داستانِ عہدِ گل اے عندلیب اکنوں چہ سود　　برفِ پیری بر سوادِ زندگی باریدہ است

رہروِ عمرِ رواں را در ہمیں منزل مدام　　بار بر سر افتاد و پائے بارگی لغزیدہ است

بر بساطِ دہر چندیں مہرہا بنشاند چرخ　　چوں مژہ برہم زدم آں مہرہا برچیدہ است

پردہ چوں افتاد از چشمِ نگاہم شد یقیں　　کردہ ہا ناکردہ است و دیدہ ہا نادیدہ است

شمع را کردند قسمت گریۂ شبہائے تار　　در سرائے اینکہ مسکیں یک نفس خندیدہ است

نالها کردست عاشق در غم هجران دوست
هر کجا مرغ چمن در یاد گل نالیده است

عشق خوبان خانه زاد وامق و فرهاد نیست
این پسر را مام فطرت بے پدر زائیده است

شهرهٔ حسن ازل از شورش سودائے ماست
گرمئ بازار گل از بلبل شوریده است

ساقی رندان کجائی، ساغرے پر کن که باز
در سر میکش هوائے مدح شه پیچیده است

حضرت عثمان علی خاں پادشاه داد و دہش
آنکه شخص علم و فن را روشنی دیده است

گنج هائے بیکران و نقد هائے بیشمار
حق بر او پاشید او در راه حق پاشیده است

تا برآورده ست دست دجله بار از آستیں
چشمهٔ جود و سخا هر چار سو جوشیده است

هر کجا بارید ابر فیض عالمگیر او
سبزهٔ شاداب و نخل بارور روئیده است

سر بسر آثار مردی و فتوت دیده اند
اندران میدان که رخش عزم او پوئیده است

جهل را کم کرد قیمت، علم را افزود قدر
در ترازوے خرد چوں هر دو را سنجیده است

فضل او گردید فرق بیوه گاں را سائبان
اشک از چشم یتیماں لطف او شوئیده است

در علوے مرتبت پهلو بکیواں می زند
از وجودش آں چناں خاک دکن بالیده است

در تن خاک ست جنبش از دم جاں بخش او
آسماں استاده در عهدش زمیں جنبیده است

خلق آرامیده در گهوارهٔ امن و اماں
چشم او بیدار و چشم فتنه گر خوابیده است

در شمار عمر او یک صفر افزوں کرده اند
معنی جشن گره عاقل همیں فهمیده است

هر کجا کرده ست مداحش بحق او دعا
نعرهٔ آمین و آمین از فلک بشنیده است

چوں نگردد کلک محوی در سخن شکر فشاں
در مدیح پادشه چندیں شکر خائیده است

نظم نشان (۲۰)

در تہنیت سال گرۂ مبارک و ستائش سخنوری ممدوح

بر مصرعۂ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت ۱۳۴۸ھ

بتاب اے مہر ہنگام ظہور ست	جہانِ منتظر جویائے نور ست
برآمد از افق صبح سعادت	فروزاں وادیِ فاران و طور ست
رواجِ جہل و ظلمت برطرف شد	متاعِ دین و دانش در وفور ست
عروجِ حکمتِ روحانیان ست	زعلمِ اہلِ یونان دل نفور ست
قرارِ نیک و بد از خویشتن نیست	سروشِ وحی کشافِ امور ست
فلک ہمت فزائے خیر و خوبی ست	جہاں بیگانہ از فسق و فجور ست
شہیدانِ اداہائے صفا را	حیاتِ جاودانی در حضور ست
نوائے دل کشِ اللہ اکبر	شفا بخشِ جراحاتِ صدور ست
در میخانۂ وحدت کشادند	دلِ اہلِ یقیں وقفِ سرور ست
سوالِ مے ز ساقی ناروا نیست	کہ ساقی مہرباں دل ناصبور ست
اگر مے نیست چشمِ مست ساقی	"بقولِ شاہ صہبائے طہور ست"
خدیوِ پر ہنر عثمان علی خاں	کہ فضلش مشتہر نزدیک و دور ست
مرصع نثرِ او چوں عقدِ پرویں	مسلسل نظمِ او چوں زلفِ حور ست

درخشان ست اندر سلک نظمش هر آں گوہر کہ در جیب بحورست
معانی در سوادِ گفتۂ او بیاض روشنِ بین السطورست
چو تشریحش کنی تفسیرِ آیات چو در بخشش کشی نظمِ زبورست
بر دخط آنکس از نظمِ روانش کہ بر بحرِ سخن اورا عبورست
بحقِ دشمنانِ ملک و ملّت صریرِ کلکِ او آوازِ صورست
پئے افزونیِ اقبال و جاہش دعائے مارواح ست و بکورست

حسابِ عمر او یارب فزوں باد
حسابِ سالہا تا از شہورست

[illegible]

بے امتیازِ ملت و مشرب سپرد کار ۔۔۔ ہر مرد را کہ مخلص و خدمت گزار یافت
اندیشۂ فساد و ہجوم فتنہ پا نماند ۔۔۔ ہر جا کہ دست قدرتتا و اقتدار یافت
ہر انچہ دید قوم ازو بے مثال دید ۔۔۔ ہر انچہ یافت ملک ازو یادگار یافت
ہر قولِ شاہ شکل مثل اختیار کرد ۔۔۔ ہر کارِ شاہ مرتبۂ شاہکار یافت
بذل و عطا و دانش و دین شانِ سروری ست ۔۔۔ شاہ ست آنکہ بہرہ ازیں ہر چہار یافت

ترقی علوم و فنون

علم و ہنر بظلِ ہمایونِ تو شہا ۔۔۔ قدرِ بلند و پایگۂ استوار یافت
افسانۂ معارفِ بغداد و قرطبہ ۔۔۔ از جودِ علم پرورِ تو اعتبار یافت
تعلیم گشت عام باندازہ کہ ملک ۔۔۔ تعلیمگاہ عام بہ ہر رہ گزار یافت
این ملکِ تشنہ لب مے علم و ہنر کشید ۔۔۔ چون بادہ کش کہ بادہ پس از انتظار یافت

بنائے جامعہ عثمانیہ

از جامعہ کہ فکرِ بلندت بنا نہاد[1] ۔۔۔ عالم گرفت درس کہ آموزگار یافت
جمعے ز اہلِ علم کہ بے زینہار بود ۔۔۔ در سایۂ حمایتِ تو زینہار یافت
دشوار در زمانۂ قدرِ تو اہلِ علم ۔۔۔ گنجینۂ علم طالعِ ناسازگار یافت

---

[1] جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس نے محض اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی سرپرستی اور دستگیری سے یہ ثابت کر دیا کہ مغربی اور مشرقی علوم و فنون میں اعلیٰ تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں بھی عمل اختیار کر رہی ہیں۔ اس بارہ میں گویا عثمانیہ یونیورسٹی سب کی استاد ہے

دار الترجمہ

ہر کس کہ دید جامعہ را گشت زار علم — شک نیست دار ترجمہ را جوئبار یافت

صد ہا کتاب حکمت و تاریخ و فلسفہ — با نام نامیت بجہاں اشتہار یافت

راضی مشو کہ بار دگر ابلہان قوم[1] — ویراں کنند باغ کہ از نو بہار یافت

باور مکن حدیث مخالف کہ ایں گروہ — چوں لالہ روے سرخ و دل داغدار یافت

ایں جوے خشک گشتہ و ایں کشت نازدہ — تا زندہ رود[2] فیض ترا آبیار یافت

دانی چہ گنجہاے ز علم مشرق و مغرب — اردو زباں ز یاوریت در کنار یافت

آرائش ملک

غزنی و اصفہان و بخارا ندیدہ بود — آرائشے کہ شہر ز تو شہریار یافت

ہر شہر ہر حدود ملک و سواد دکن — از کلک نقشبند تو نقش و نگار یافت

از شاہراہ ہائے کشادہ چو کہکشاں — خلق خدا کشادہ رہ کار و بار یافت

وز آبگیر چوں دل دریا دلاں فراخ — آسائش و فراغ دل کشتکار یافت

در پردہ جست ہر چہ نظر بے حجاب دید — ہر آنچہ خواست دل بہ نہاں آشکار یافت

---

[1] اس سے قبل جو دار الترجمہ قائم ہوا تھا اور مولانا شبلی مرحوم سے یگانۂ روزگار کے زیر نگرانی قابل قدر کام کر رہا تھا وہ اسی قسم کے لوگوں کی ناقدردانی کی وجہ سے جنہیں میں نے ابلہان قوم اور چنگیزیوں وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے توڑ دیا گیا [2] ایران کا مشہور دریا

نظمِ مملکت

اوضاعِ مملکت که به حکمت نهاده — آن را بوضعِ خویش جهان سازگار یافت
دیوِ ستم که دشتِ جهان را بگیر و دار — خود را بدورِ عدلِ تو در گیر و دار یافت
در دستِ تو نهاد حق آئینِ داوری — ذاتِ ترا چو دادگر و حق گزار یافت
میدانِ عدل در عهدِ دادگستری — تا زد بخویشتن که چنین شهسوار یافت

پرورشِ یتیمان و بیوه گانِ ملازمین وغیره

دستِ کرم بلند شد و آستین کشید — هر دیده که از غم و هم اشکبار یافت
بر سر گرفت بیوه زن و طفلِ بے پدر — آن دست را که سایۂ پروردگار یافت

بذل و عطائے عام

بخشائشِ تو خاص بروم و حجاز نیست — قسمت ز خوانِ نعمتِ تو هر دیار یافت
هر فاقه کش ز خوانِ کرم بهره ور بود — هر باده کش بجامِ مئے خوشگوار یافت
هر دو کناره کش ز جهان از عطائے تو — طرفے ز راحتِ دو جهان در کنار یافت
یکبار ز یاوریِ غریبان که هم ترا — "یارِ رفیق"[1] دولتِ عظمت مدار یافت

استقلالِ عزم

هر مشکلے که در رهت آمد به آزمون — ناپید از تو در که بره کوهسار یافت
هر کشور خیبرِ آلامِ روزگار — عزمِ تو تیغ گشت و دم ذوالفقار یافت

[1] Faithful Ally

دل ہمت از حیاتِ رسولِ امین گرفت — جان یاوری ز باطنِ ہشت و چہار[1] یافت

فروتنی و حلم

دید انکسارِ فقر و سرافرازیِ شہی — ہر کس بہ بارگاہِ جلالِ تو بار یافت
از بس کہ دید خیر ز تو در جزائے شر — خود را عدو ز کردۂ خود شرمسار یافت

ترغیبِ اہلِ فن

فکرِ سخن کنی پئے ترغیبِ اہلِ فن — دانی بران حیاتِ سخن انحصار یافت
حرفے کہ از لبِ تو برآمد سخن شناس — شاداب تر ز سبزۂ لبِ جوئبار یافت
غواصِ فکرِ تو بہ محیطِ سخنوری — ہرگاہ غوطہ زد گہرِ آبدار یافت

جشنِ جلوسِ بست و پنج سالہ

ایں بست و پنج سال ز عہدِ جلوسِ تو — توقیعِ یمن و خیر ز پروردگار یافت
تقویمِ ایں زمانۂ "عہد آفرین[2]" تو — ہر سالِ نو مبارک و میموں ز پار یافت
تحسینِ محمود و شکر ترا بے شمار کرد — احسانِ تو چو خلقِ خدا بے شمار یافت
دستِ کرم کشا و کرم ہا نہ کار کن — چوں کارِ خلق بر کرمت انحصار یافت
در جام ریز آں مئے صافی کہ دردمند — از رنج و درد و غم شکن و غمگسار یافت

عرضِ حال و دعا

خواہم کہ آورم بہ مثلِ شعرِ انوری — شعرے کہ حسبِ حالِ خود ایں خاکسار یافت

---

[1] دوازدہ امام
[2] Epoch-making

فخرست از ثنای تو ام گرچه کلکِ من — دیریست از نوشتنِ اشعار عار یافت

لیکن پی دعا و ثنایت درین زمان — محوی مدد ز هر طرف و هر کنار یافت

شوقِ ثنا ز شاعرِ شیوا بیان رسید — ذوقِ دعا ز عابدِ شب زنده دار یافت

تا شد زبانِ او ز مدیح تو بهره ور — منطق به چشمِ اهلِ نظر اعتبار یافت

عمرت دراز باد که در عهدِ امن تو

عالم امان ز گردشِ لیل و نهار یافت

نظم نشان (۲۲)

بہ تقریب جشن آزادی دو صد سالہ دولت آصفیہ قائم فرمودۂ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی سنہ ۱۳۴۲ھ

رنگہائے مختلف در زماں می آورد ❊ گاہ می آرد بہار و گہ خزاں می آورد
زیں رباطِ کہنہ ہر دم قافلہ سالارِ دہر ❊ می برد یک کارواں یک کارواں می آورد

ورود سراپا مسعود حضرت آصف جاہ اول بدکن

تیرہ و تارست یکسر مطلعِ ہندوستاں ❊ شمعِ مہر را ہمرہِ برقِ تپاں می آورد
بر مثالِ ابرِ آصف جاہ را بادِ شمال ❊ بر سرِ خاکِ دکن گوہر فشاں می آورد
یا کہ می آرد بہ ظلمت چشمۂ آبِ حیات ❊ یا کہ در ویرانہ گنجِ شائگاں می آورد
می نہد بنیادِ آں گلشن کہ ہر یک گلبنش ❊ آبروئے تازہ بر روئے جہاں می آورد
از دو صد سال ست کیں گلزار سعی آصفی ❊ ہم گل و ہم لالہ و ہم ارغواں می آورد
سوسنِ آزاد ایں گلزار سر تا پا بہار ❊ مژدۂ آزادی ایں دوداں می آورد
نو بہارِ عہدِ عثمانی ست کو با خویشتن ❊ دانشِ پیرانہ و بختِ جواں می آورد
می دمد روحِ رواں در قالبِ بے جان ملک ❊ شاہ گوئی از دمِ عیسیٰ نشاں می آورد
صد ہزاراں شکر یزداں را کہ شاہے ہمچو او ❊ دستگیرِ ملتِ آخر زماں می آورد

نیست پابندِ کسے در کار و بارِ مملکت | زانکہ خود در کارِ عقلِ کارداں می آورد
شاہ میداند کہ در عالم بجز اجرائے خیر | نیست تدبیرے کہ عمرِ جاوداں می آورد
می برد گر بندۂ را حاجتے در حضرتش | ہمتِ حاجت روا ایش شاداں می آورد
ہر کرا دستِ زمانہ تنگ می گیرد چو من | روبسوئے قبلۂ ایں آستاں می آورد
غنچۂ اقبالِ او بادا شگفتہ تا نسیم | نکہتِ گلہائے تر از گلستاں می آورد

نظم نشان (۲۳)

بہ تقریب سالگرہ مبارک گزرانیدہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

شہے کہ خاطرِ خلقِ خدا نگہدارد | خدا اش از ہمہ رنج و بلا نگہدارد
بحق او زہمہ جانب ست صدق و صفا | کسے کہ جانبِ صدق و صفا نگہدارد
دریں زمانہ کجا سرورے چو شاہِ دکن | کہ شان و شوکت تخت نیا نگہدارد
جزاو کہ گرد تردد کہ ملک رفتہ ز دست | دوبارہ گیرد[1] و بہرِ شما نگہدارد
جزاو کہ خواست کہ بیچارگانِ صحرا را | ز چیرہ دستیِ جور[2] و جفا نگہدارد
جزاو کہ داد بہ خیلِ ملازماں رخصت[3] | کہ روزہ گیرد و فرضِ خدا نگہدارد

---

[1] صوبہ برار کی واپسی کے لئے جو کوششیں اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے فرمائیں اور فرما رہے ہیں وہ تمام دنیا پر روشن ہیں اور انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہو کر رہیں گے۔ [2] دیہات سے بیگار لینے کا طریقہ جس سختی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں مسدود ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ [3] شدید گرمی کے مہینوں میں جب رمضان المبارک واقع ہوتا ہے تو دفتروں کو تعطیل دینے کا طریقہ بھی اعلیٰ حضرت ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔

جزاو کدام کہ با ایں تمام ناز و نعیم — طریقِ زندگیِ اتقیا[1] نگہدارد
جزاو کدام کہ بعد از وفاتِ اہلِ وفا — حقوقِ خدمتِ[2] اہلِ وفا نگہدارد
بدورِ قطبِ شہاں ہم کسے نہ بود چو شاہ — کہ عزّ و حرمتِ[3] ماہِ عزا نگہدارد

ندیدہ دیدۂ بدبیں اگر محاسنِ تو — شگفت نیست کہ اعمیٰ کجا نگہدارد
ہزار بندہ و ہر بندہ را فراستِ تو — بہ نہجِ خاص و بطرزِ جدا نگہدارد
خدا ترا ز وبال و نکالِ ہر دو سرا — بحقِ خواجۂ ہر دو سرا[4] نگہدارد
بر تبۂ تو بافزاید و ترا تا دیر — بزیرِ سایۂ بالِ ہما نگہدارد
ہمیں بس ست پئے محوی دعا گوئیت — کہ در دلِ تو یکے گوشہ جا نگہدارد
ہر آنچہ از زر و حکمت نگاہ نتواں داشت — جبینِ سجدہ و دستِ دعا نگہدارد

۱؎ اعلیٰ حضرت کی اس سیدھی سادی زندگی کی طرف اشارہ ہے جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے ۲؎ ملازموں کے فوت ہوجانے کے بعد اُن کے اہل و عیال کی پرورش جس طرح سرکارِ آصفیہ میں ہوتی ہے شاید ہی کسی دوسری سرکار میں ہوتی ہو ۳؎ حیدرآباد محرم کے سوانگوں اور اسی قسم کی دوسری لغویات کے لئے سخت بدنام تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے عہدِ حکومت میں ان سب کو قطعاً موقوف فرما دیا۔ رضا شاہ پہلوی تاجدارِ ایران اس وقت جو کچھ ایران میں کر رہے ہیں وہ ہمارے اعلیٰ حضرت اس سے دس سال قبل کر چکے ہیں اور اس لحاظ سے اس معاملہ میں سب کے پیشرو اور ہادی ہیں۔

نظم نشان (۲۴)

به تقریب تهنیت عید قربان سنه ۱۳۴۰ھ

شکر الطاف تو دانم که ادا نتوان کرد | چکنم عادت خود نیز رها نتوان کرد
از همه مدح و ثنا برتری و بالا تر | نتوان گفت مدیح تو ثنا نتوان کرد
رشتهٔ شکر و ثنا گرچه ز کف رفت، مگر | دست کوتاه ز دامانِ دعا نتوان کرد
حسنِ اخلاق تو با حسنِ بیان نتوان گفت | درکِ ادراکِ تو با عقلِ رسا نتوان کرد
هر دو مبنی بصواب اند و مبرا ز خطا | فرق در حکم تو و حکمِ قضا نتوان کرد
بر در روزی مخلوق ندانم قفلے | کز کلید سر انگشت تو وا نتوان کرد
عقدهٔ نیست که از ناخنِ تو نکشاید | حاجتے نیست که دستِ تو روا نتوان کرد
چارهٔ درد دلِ خسته صفا ها دارد | ترکِ این شیوهٔ اربابِ صفا نتوان کرد
حاصلِ نامِ نکو زندگی جاوید ست | جز بایں راه تمنائے بقا نتوان کرد
بر تو پیداست همه نیک و بد شعر و سخن | در حضورِ تو سخن بے سر و پا نتوان کرد
باد ترکیب وجودِ تو بعالم قائم | تا نم از آب به تحلیل جدا نتوان کرد
باد هر عیدِ تو از عیدِ دگر فرخ تر | این دعائے ست که زین خوب دعا نتوان کرد

بلبل شیفته داند که بگلبانگ مدیح
بحث با محوی آشفته نوا نتوان کرد

نظم نشان (۳۵)

بہ تقریب سال گرہ مبارک ۱۳۴۴ ف

بایدہزار شکر خداوندگار کرد — کو از کمالِ فضل ترا شہریار کرد
بخشید ملک و مال عطا کرد تاج و تخت — تدبیر و عقل داد فزوں اعتبار کرد
بر ہر چہ ہست ہست توا غتیار داد — بر ہر چہ خواست خاطرِ تو کامگار کرد
ہم در جہانِ مجد و علا داد سروری — ہم در دیارِ علم و ہنر تاجدار کرد
عقل تو کرد باطل و حق را زہم جدا — رائے تو امتیاز یمین از یسار کرد
زورِ تو کرد بازوے انصاف را قوی — دستِ تو پائے دولت و دیں استوار کرد
فضل تو دستگیریِ ہر خستہ جاں نمود — لطفِ تو چارہ سازیِ ہر دل فگار کرد
کلکِ گہر فشانِ تو ہنگامِ فکرِ شعر — دامانِ نظم پر ز دُرِ شاہوار کرد
ہر نقطہ کہ از قلمِ عنبریں چکید — قرطاس بر د و خالِ رخِ روزگار کرد
از نامِ تو گرفت نشاں سرزمینِ ہند — وز گوہرِ تو خاکِ دکن افتخار کرد

زیں بیشتر ز خواجہ چہ خواہی کہ در جہاں — با بندگی نیابتِ پروردگار کرد
در شکرِ ایں کہ لطفِ خدا بے نہایت ست — لطف و کرم بخلقِ خدا بے شمار کرد
نقشے کہ بست تازہ تر و دل فریب بست — کارے کہ کرد نامور و یادگار کرد

صد بار شست اشک و غم باو رانه خورد | یک بار گریبان پدر گیر و دار کرد
فرماندهان حکومت تن آرزو کنند | او سروری بعالم جان اختیار کرد
شاهان زنند سکه بروئے طلا و سیم | او سکه زد بجان و روان در دیار کرد
صید افگنان بدشت پراگنده او ز شهر | تا رفته یک قدم دل عالم شکار کرد
از کارہائے بستهٔ ما صد گره کشاد | امسال شاه جشن گره یادگار کرد
جام سخن ز تلخی غم ناگوار بود | ذوق مدیح شاه دگر خوشگوار کرد
می خواست شوق سلسلهٔ مدح را دراز | آمد ادب اشاره سوئے اختصار کرد
محوی ز بندگان قدیم ست وعیب نیست | مدح و دعائے شاه اگر باره بار کرد

نظم نشان (۲۶)

بروز جشن سالگرهٔ مبارک گزرانیده شد ۱۳۳۶ ف

پیکر زیبائے اُمید از عدم سر بر نزد | تا لب معجز نمایش دم بر آن جوهر نزد
شد ز فیض لطف او سرسبز تخم آرزو | آنکه تا یک عمر سر از پردهٔ اغبر نزد
یار چندین سال فرمان داد بر اقلیم دل | سکهٔ تسکین مگر بر خاطر مضطر نزد
این دل راحت طلب ساکن نشد از اضطراب | تکیه تا بر آستان شاه جان پرور نزد
حضرت عثمان علی خان آنکه در تنظیم ملک | پیش رائے روشنش دم خیل هفت اختر نزد

ہمچو تو اے شاہ کس دا د جہانبانی نداد
سکۂ نام نکو کس چوں تو در کشور نزد

محضرِ اقبال کس ننوشت جمہورِ قضا
تا فروغ رائے تو مہرے بران محضر نزد

کشتئ تو نگزشت از دریائے طوفاں خیزِ ہند
در محیطِ فیضِ آصف جاہ تا لنگر نزد

کس زبزمِ عشرت آبادِ دکن بیروں نرفت
از مے دیرینۂ مہر تو تا ساغر نزد

مے شناسی بے غل و غش قیمتِ ہر بندہ را
ہمچو تو جوہر شناسے بر محکِ این زر نزد

نثرِ رنگینِ تو کے آب از رخِ گلشن نہ برد
نظمِ شیرینِ تو کے بر تودۂ شکر نزد

از مضامینِ بلندت چوں تواند گفت کس
طایرِ فکرِ تو با روح الامیں شہپر نزد

خواستی از مردمی بخت مرا بالا کشی
لیک آں از خستگی یک گام بالاتر نزد

خواستی تا وا رہانی بندہ را از قیدِ غم
لیک بختِ نارسا دم جز بشور و شر نزد

بندہ ات را آں چناں بگرفت گردابِ بلا
دست و پائے ہم دراں دریائے پہناور نزد

خواست تا نقشِ جبیں گیرد طرازِ راستی
بندۂ بیچارہ بیجا سر بہ سنگِ در نزد

تشنۂ الطافِ تو در کربلائے نام و ننگ
داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

آفریں بر ہمتِ مردانۂ محوی کہ او
"بہ درِ نکشودہ ساکن شد، درِ دیگر نزد"

نظم نشان (۲۷)

تہنیت عید الفطر ۱۳۴۳ھ

از عشق مردِ پاک گہر پاک تر شود ہر آں خزف کہ در صدف[1] آید گہر شود

پیغمبری ز عشق بود، داوری ز عشق در ہر طریق عشق ترا راہبر شود

عشق ست اصل "جذب" کہ بنیادِ عالم ست ہر چند رہ شناس بنامِ دگر شود

بے تار و پود جادہ بہ یعنی نسیجِ عشق ابرہ نہ آسماں نہ زمیں آستر شود

عشق ست کارساز دو عالم مگر بہ عشق ہر با خبر ز ہر دو جہاں بے خبر شود

در جامِ عشق جرعۂ از حسنِ یار ریز تا نشہ زا امتزاج دو مے بیشتر شود

روشن شود ز پرتوِ حسنش جہانِ جاں کاخِ دماغ منزلِ شمس و قمر شود

زلفش گلو بگیرد و بندد زبانِ شوق مژگانش در جگر خلد و نیشتر شود

ذکرش کنی نہ ذکر شود قلب مطمئن تا منش بری ز نام و ہاں پر شکر شود

تنہا نہ کعبہ است نظرگاہِ عاشقاں ہر جا کہ اوست قبلۂ اہلِ نظر شود

خواہم کہ ایں حدیث پر از نکتہ ہائے نغز دیباچۂ مدیح ستۂ نکتہ ور شود

---

[1] ابرِ نیساں کے قطروں سے موتیوں کا بننا ایک پرانا افسانہ ہے۔ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ چھوٹے چھوٹے کنکر یا ذرات جو غذا کے ساتھ سیپیوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں اُن پر تہ بہ تہ ایک قسم کا مادّہ جمتا جاتا ہے اور وہی موتی کہلاتے ہیں ۱۲

شاهِ زمانه حضرت عثماں که هیچ او — کم در میانِ تاجوراں تاجور شود
آں عادلے که در کنف اعتدال او — بالد بخویشتن داد و ستم مختصر شود
لطفش بدل نشیند و دل را دهد سکون — لطفش بجان در آید و غم را سپر شود
با ذهن او نه بادِ صبا همسری کند — با فکر او نه برقِ تپاں هم سفر شود
آں سرپرست علم و هنر کز سخاوتش — زو دست ملک مرکزِ علم و هنر شود
چوں کیمیائے علم و هنر شد نصیبِ ملک — سنگش تمام سیم شود خاک زر شود
سیم و زر است مایهٔ تنظیمِ مملکت — بے مایه ملک مصدرِ صد شور و شر شود
نازد بخویش مادرِ گیتی که زاده است — چوں او پسر که خلقِ خدا را پدر شود

شاها ز عرضِ مدح عناں می کشم که نطق — نازد که با مکارمِ تو بے سپر شود
یزداں چو کرده است ترا پاسبانِ ملک — باید ز اهلِ جور جهاں بے خطر شود
خیر البشر ز جملهٔ خیر الامم هماں است — کو چاره ساز امت خیر البشر شود
شاید با بیاری سعی تو ایں شجر — بارِ دگر شگوفه کند بارور شود
نشنیدهٔ که در کفِ مردانِ کارداں — از جد و جهد خاکِ سیه کانِ زر شود
گویند می شود ز سخن شاه نامدار — من معتقد ز شاه سخن نامور شود
جا دارد از طفیل مدیح تو گفته ام — از خاوراں برآید و تا باختر شود
مدح تو معتبر بود از من که گفته اند — چنداں که مرد پیر شود معتبر شود

از خاطرِ شکستۂ محوی دعائے تو | باید کہ چوں دعائے سحر با اثر شود
یارب مدام در چمنستانِ عز و جاہ | آید بہار و لالہ و گل جلوہ گر شود
منصور باد رایتِ عزمِ تو بر مراد | وین عید پیش خیمۂ فتح و ظفر شود

نظم نشان (۲۸)

کہ بجشن سال گرۂ مبارک گزرانیدہ شد بہمن ۱۳۳۵ف

صبا نقاب چو از عارضِ بہار کشد | زمیں ز لالہ و گل چتر زر نگار کشد
نہد چو شاہدِ گل پا بجلوہ گاہِ جمال | ہزار، نعرۂ مستانہ صد ہزار کشد
نسیم نرم و خنک دم زند بوقت سحر | چو آہ سرد کہ عاشق بیادِ یار کشد
گہے بروے فلک ابر بر زند چادر | گہے بروے زمیں فرشِ سبزہ زار کشد
زفرط نشو و نما شاخ و گل رسند بہم | چو لالہ سر کشد از خاک "تاجدار" کشد
زہے روانیِ طبع رواں کہ از یک حرف | سخن زصحن گلستاں بشہریار کشد
خدیو ملک دکن، پادشاہ علم و ہنر | ہر آنکہ علم و ہنر را زہر دیار کشد
بہ کارہائے سترگ وستودہ، خطِ غلط | بہ کارنامۂ شاہانِ روزگار کشد
رعایت ست و سیاست کہ زیں دودست قوی | عنانِ ابلقِ ایام شہسوار کشد
رعایت ست رعایت کہ گلہ را چو پاں | بیک صدائے محبت زہر کنار کشد
سیاست ست سیاست کہ ساربان تنہا | ہزار ناقۂ سرکش بیک مہار کشد

هزار بوسه بران دست خیر باید زد
که خار غم ز کفِ پائے دل فگار کشد

فدائے ہمّتِ رادے که با ہمه بخشش
خجالت از رخِ مسکینِ شرمسار کشد

خوش ست دیده وری کو غبار حادثه را
بجائے سرمه بچشمانِ اعتبار کشد

کجاست آں گل رعنائے گلشن خوبی
که ناز بلبل شیدائے بے قرار کشد

ہزار شکر خدا را که شهسوارِ دکن
کمانِ نظمِ ممالک بایں قرار کشد

شمیم خلق عمیمش ہمے کشد دل خلق
چو بوئے میوه که مرغانِ میوه خوار کشد

دہند داد بعہدش، صبا و مظلومے
ز درد نالد و آه شراره بار کشد

اُمید زوست بدلہا، وگرنه خلق خدا
چه جورہا ز دلِ نااُمیدوار کشد

ز طعنہائے رقیباں چه ساں شود ایمن
عروسِ ملک ہر آنکس که در کنار کشد

عجب مدار اگر محویِ کشاده زباں
نوائے مدحتِ شاہانه بار بار کشد

بحضرتش سخن کامل العیار بیار
که او سر از سخنِ ناقص العیار کشد

بقول حضرتِ غالب سخن دراز مکن
"که چرخ کینه ز ہر دو سخن گزار کشد"

دعائے خلق حصارست شاه را منّت
بگردِ خویش اگر زیں دعا حصار کشد

خدا به شاه دہد عمر و دولت و اقبال
که بهر راحت ما رنج بے شمار کشد

نظم نشان (۲۹)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۶ف

شب دلم جلوہ گہ حسنِ دل آرائے تو بود | دیدہ حیرت زدہ و محوِ تماشائے تو بود
دل سراسر ہوسِ بادۂ دیدار تو داشت | چشم لبریز ز سرجوشش تمنائے تو بود
صید وحشت شدہ در دام محبت افتاد | دل کہ برہم زدۂ زلف چلیپائے تو بود
عقل ما برہمیِ سنبلِ پیچانِ تو داشت | مستیِ ما ہمہ از نرگسِ شہلائے تو بود
سر سودا زدہ را چوں نہ گرامی دارم | ایں ہمانست کہ یک عمر بسودائے تو بود
آمد و رفتِ نفس، جنبشِ دل، گردشِ خوں | تا رواں بود بہ تن شورش و غوغائے تو بود
کعبہ از یاد برون رفت و کلیسا ز خیال | سالہا سجدہ گہم نقشِ کفِ پائے تو بود
زحمتِ جورِ رقیباں ہمہ راحت گردید | چوں یقیں گشت کہ آں جور بایمائے تو بود

وانشد چشمِ من از نشۂ عشرت شاہا | چشم لطف تو مگر شامل صہبائے تو بود
فال اقبال گرفتیم کہ از عہد صبا | اختر سعد درخشندہ بہ سیمائے تو بود
پاسِ اسلام، نگہبانیِ دین، نشرِ علوم | ایں ہمہ کار کہ کردند بایمائے تو بود
قوم از وادیِ دشوار چہ آساں بگذشت | رہبرِ قافلہ چوں ہمّت والائے تو بود
قسمتِ غیر نگردند کہ از روزِ ازل | خلعتِ پادشہی راست ببالائے تو بود

نہ غلط بود زتو چشمِ کرم داشتنم — زانکہ از اہل کرم مبدأ و منشائے تو بود
نشدم حاضرِ میخانۂ عشرت دی شب — محتسب مانع[1] ایں عیش بہ فتوائے تو بود
فرصتِ مدحت شائستہ دریں جشن نیافت — محوی خستہ کہ مصروف دعا ہائے تو بود

نظم نشان (۳۰)

بہ تہنیت عید اضحی ۱۳۳۸؁ ف

آمد بہار نکہتِ گل با صبا رسید — بگزشت شامِ غم، سحر جاں فزا رسید
از غنچہ کہ دم بہ ہوائے بہار زد — در مغزِ جاں شمیم دمِ آشنا رسید
شاخِ برہنہ را ز خداوند نوبہار — از برگ و غنچہ ہم کلہ و ہم قبا رسید
آوردہ است باز صبا خاکِ کوئے دوست — اے چشم شوق مژدہ ترا توتیا رسید
درمانِ بے قراری دل ترکِ عشق نیست — کردیم ایں علاج و بما دردہا رسید
سرمایہ بخش ناز تو آمد نیاز ما — ایں شاہ را متاعِ شہی از گدا رسید
وارد ہوائے مسندِ جم بوریا نشیں — زیں غصہ صد شکن بجبینِ بوریا رسید

---

[1] جشن سالگرہ مبارک کے کارڈ کوتوالی سے تقسیم ہوتے تھے۔ اس سال کا کارڈ مجھے نہیں ملا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے

منصور[1] را شماتتِ صد دشمناں نداد
دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

انسان گزاشت بلبل و پروانہ برگرفت
پستی نگر کہ عشق باین انتہا رسید

تا بے روں ز بیعتِ پیرِ مغاں رسد
از پائے خم بجام تہی این ندا رسید

این بحرِ خوں کہ می رود از ناودانِ چشم
در حیرتم کہ در دلِ تنگ از کجا رسید

اندیشۂ کدورتِ دیر و حرم نماند
آنرا کہ پائے سعی بحدِ صفا رسید

مردے کہ پا بعرصۂ حسنِ عمل نہاد
چوں پادشاہ باصفِ اتقیا رسید

آں آصفِ زمانہ کہ نامِ نکوے او
چوں آفتاب نور فشاں جابجا رسید

وقتیکہ او بہ مسندِ دولت نہاد پا
آمد ندا کہ صاحبِ تاج و لوا رسید

بس غنچہ ہا بگلشنِ آزادگی شگفت
بس گلبنِ فسردہ بہ برگ و نوا رسید

آمد مسیح وز نفسِ جاں فزاے او
صد تازگی بہ رسم و رہِ مصطفےٰ رسید

شاہا بوصفِ تو چہ سرایم کہ در دماغ
بیروں ز حدِ نطق و بیاں نکتہ ہا رسید

باغِ ہنر ز دیر خراب اوفتادہ بود
از آبیارئے تو بہ نشو و نما رسید

شد ملک بہرہ مند ز ہر جنس علم و فن
در دستِ قوم نسخۂ ایں کیمیا رسید

[1] منصور حلاج، مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں "انا الحق" اور اسی طرح کے دوسرے کلمات کے کہنے پر گرفتار کیے، اور قتل کیے گئے۔ قید کے زمانہ میں لوگ آتے اور خلافِ شرع کلمات کے کہنے پر انھیں ملامت کرتے تھے۔ گروہ ہنس ہنس کر ان کو سنتے تھے۔ اس زمانہ کے ایک صوفی شیخ عبداللہ خفیف نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں، انھیں سنکر منصور نے ایک آہ کی اور رو دیئے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا، کہا دوسرے لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ لاعلمی سے کہتے ہیں مگر ان حضرت کا جان بوجھ کر ایسا کہنا قیامت ہے

از مدحِ روشن تو بیابد تیرگیِ بخت | آئینۂ طبیعتِ ما را جلا رسید
محوی سخن دراز مکن در مدیحِ شاہ | دستے برآر نوبتِ عرضِ دعا رسید
عمرت دراز باد کہ از دستِ فیضِ تو | تائیدہا بہ محویِ بے دست و پا رسید

نظم نشان (۳۱)

در تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۹ف

زما مپرس چہ ساقی بساغرما داد | شرابِ ناب زخمخانۂ تولّا داد
چہ سرکشی ز اطاعت کہ دوست روزِ نخست | طرازِ بندگیِ خویشتن بہ سیما داد
اسیرِ کاکلِ آں لیلیم کہ مجنوں را | گرفت پائے بہ زنجیر و سر بصحرا داد
شہیدِ شیوۂ آں ترکِ پرفنم کہ مرا | ز دوستاں بگرفت و بدستِ اعدا داد
جمالِ او نگر و ہم حدیثِ او بشنو | ہر آنکہ گوشِ نوا سنج و چشمِ بینا داد

نشانِ عزّت و ثروت مجو بنادانی | زمانہ ایں ہمہ دولت کنوں بدانا داد
نشد اسیرِ ہوا و ہوس دلِ پاکاں | چو یوسفے کہ نہ تن در برِ زلیخا داد
سبک گزشت سرِ آں مردِ عاقبت اندیش | کہ ہرچہ یافت ز دنیا بہ اہلِ دنیا داد
بمدحِ شاہ سخن سرکن ایں چہ تمہید ست | ترا کہ رائے بہ تشبیبِ بے سروپا داد

کفِ کریم و دلِ راد و عقلِ دانا داد
بشاہ ہرچہ خدا داد خوب و زیبا داد ......

نظر دقیق، قدم استوار، جان روشن	بنانِ عقدہ کشا، بازوئے توانا داد
فنونِ مشرق و مغرب، علوم حکومت و دین	شعور نظم و نسق، با شعار تقوی داد
شکوہ و سطوتِ شاہی، خلوص درویشی	غرضکہ دولتِ دین و نعیم دنیا داد
خدا چہ داد باو ایں ہمہ کنوں بنگر	کہ او براہ مروت ازاں چہ ما را داد
اگر بدیدۂ انصاف بنگری بینی	کہ دادِ خلق خدا داد بے محابا داد
زرِ خطیر پے کارِ خیر خاصہ علوم	بطیبِ خاطر و بے عذر و بے تقاضا داد
سہ صد[له] کتاب علوم جدید را حکمش	لباس فاخرۂ اردوئے معلّٰی داد
دمید زندگیِ نو بقالب اردو	نشانِ معجزہ ہائے دمِ مسیحا داد
ز دشت جہل بروں برد ملک و ملت را	خبر ز ہمت احمد ز عزم موسیٰ داد
ز رائے مملکت آرائے خویش در ہمہ ملک	طرازِ صحنِ گلستاں بدشت و صحرا داد
ز حسن و خوبیِ اخلاق او نہ نسبت نظر	خدا بہ ہر کہ دلِ صاف و چشم بینا داد
بہ ہر دعا کہ برآمد برائے او از دل	اجابت از رہِ عظمت بہ پہلویش جا داد

دلِ فسردۂ محوی ز شاہ دریا دل
اگرچہ قطرہ طلب کردہ بود دریا داد

له دار الترجمہ کی کارگزاری کی طرف اشارہ ہے

نظم نشان (۳۲)

بہ تقریبِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بدہلی ۱۳۳۸ ف

میرے مکرم عنایت فرما خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جو ریاست ہذا اور اعلیٰ حضرت کے مخلص خیر خواہ ہیں یہ اشتہار دیا تھا کہ "حضور نظام کی دہلی تشریف آوری کے متعلق جس کی فارسی نظم سب سے بہتر قرار پائے گی اسے تمغہ اور جو نظم اس کے بعد ہوگی اسے ایک اشرفی بطور انعام دی جائے گی"۔ یہ اشتہار دیکھ کر مکرمی و محبی مولوی میر ناظم علی صاحب وکیل عدالت عالیہ سرکار عالی مصر ہوئے کہ میں بھی اس مسابقت میں جو تمام ہندوستان کے شعرا کے لئے ہی شریک ہوں۔ اُن کے اصرار پر میں نے مندرجہ ذیل سات شعر لکھ کر بھیجدئے تھے اور خواجہ صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ اگر میرے اشعار کسی انعام کے قابل قرار پائیں تو وہ رقم تبلیغ میں لے لی جائے، میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ چند روز بعد خواجہ صاحب موصوف کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جن مبصران فن کی انجمن انتخاب کے لئے مقرر ہوئی تھی اس نے میرے اشعار کو دوسرے نمبر پر رکھا۔ اس لئے خواجہ صاحب ممدوح نے مجھے ایک اشرفی بھیج دی جو میں نے اسی قدر مزید رقم کے ساتھ تبلیغ کے چندہ کے نام سے واپس کر دی۔ جس نظم کو درجہ اوّل دیا گیا تھا وہ افسوس اس وقت دست یاب نہ ہو سکی ورنہ وہ بھی ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی

صدائے خندۂ گل باز از گلزار می آید	مگر فصل بہار امسال دیگر بار می آید
مناں اے ملک، عہدِ درد ہجراں می شود آخر	ببال اے قوم، وقتِ دولتِ دیدار می آید
نمی دانم کہ می آید، بایں اندازِ دلداری	کہ بانگِ خیر مقدم از در و دیوار می آید

نگہبانِ رعایا، پاسبانِ حقِ ہر ملت
امیر داد گر، سر حلقۂ احرار می آید

نظام الملک سر عثماں علی خاں آصفِ ہفتم
سر خاکِ وطن[1] چوں ابر دریا بار می آید

زجودِ بے نہایت می کند شاہِ دکن آساں
ہراں کارے کہ بر اہلِ جہاں دشوار می آید

برائے کاروانِ خستہ تن، گم کردہ رہ محوی
بحمد اللہ کہ اینک کاروان سالار می آید

نظم نشان (۳۳)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۲۹ھ مطابق سنہ ۱۳۲۰ف

مژدۂ فصلِ بہاراں می رسد
موکبِ گل در گلستاں می رسد

تا فشاند بر سرِ شہ، ہر شجر
غنچہ در کف، گل بداماں می رسد

حضرت عثماں علی خاں را زغیب
دمبدم تائیدِ یزداں می رسد

نکہتِ اخلاقِ او نزدیک و دور
مشک بار و عنبر افشاں می رسد

جودِ بے پایانِ او بر خشک و تر
ہمچو فیضِ ابرِ نیساں می رسد

می رسد فرتابِ نامِ نیکِ او
ہر کجا خورشیدِ تاباں می رسد

از کمالِ فضلِ او ہر بے نوا
تا دمِ آب و لبِ ناں می رسد

شہرۂ عزمِ معارف پرورش
تا دیارِ روم و یوناں می رسد

گفتۂ سنجیدہ اش، مثلِ مثل
بر زبانِ ہر سخنداں می رسد

جشنِ میلادِ شہِ والا گہر
با ہزاراں ساز و ساماں می رسد

[1] ہندوستان میں آصف جاہی خاندان کا ابتدائی وطن دہلی ہے، چنانچہ اس وقت تک غازی الدین خاں کا مدرسہ اور نظام الملک کا کٹرہ اس کے شاہد ہیں

بابِ عیشِ زندگی وا کردہ اند — راحت از سر در دل و جاں می رسد
بادہ در جوش ست و ساقی مہرباں — دورِ ساغر تا بہ رنداں می رسد
تحفۂ اخلاص و نذرِ بندگی — از ہمہ ارکان و اعیاں می رسد
بلبلِ مدحت سرائے شاہ نیز — با نواہائے پریشاں می رسد
می کشند مستانہ گلبانگِ دعا — کاں با وجِ عرشِ رحماں می رسد
می رسد از غیب الہامے کہ شاہ — بر مرادِ خویش الآں می رسد
دوستاں را مژدۂ فتح و ظفر — دشمناں را درد و خذلاں می رسد
بر دعائے ازدیادِ عمرِ شاہ — نامۂ محوی بپایاں می رسد

نظم نشان (۳۴)

بہ تہنیت عید ۱۳۴۱ ف

سروشِ ناطقہ تائید ہر بیاں فرمود — چو شاہ قدرِ عزیزانِ نکتہ داں فرمود[۱]
شہے کہ سایۂ او را خدائے عز و جل — بفرقِ عالمِ اسلام سائباں فرمود
چہ بزمہا کہ نہ آراست بہرِ علم و ہنر — چہ کاخ جہل و ضلالت نہ رائگاں فرمود
ہر آنچہ گفت بہ اندازِ پیرِ دانا گفت — ہر آنچہ کرد بہ اندازِ نوجواں فرمود
بشرق و غرب و جنوب و شمال و ہند و دکن — ہزار چشمۂ جود و سخا رواں فرمود

۱ یہاں "فرمود" کے معنی "کرد" کے ہیں جیسا کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک قصیدہ میں جو اسی بحر میں ہے ارشاد فرمایا ہے

زفکرِ عالی شاہِ زماں چہ می پرسی | زمینِ شعر و سخن را نہ آسماں فرمود
نداشتند کسانے کہ ساز و برگ نمد | بحق شاں ہمہ دیبا و پرنیاں فرمود
بہ آبیاری ابرِ بہارِ فیضِ عمیم | زمینِ تف زدہ را رشکِ گلستاں فرمود
بشکرِ نعمت و تقدیم تہنیت محویؔ | ہمیں گفت و دعائے خدائگاں فرمود

نظم نشان (۳۵)

بہ تہنیت جشن سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار ۱۳۴۲ ف

بقید ہفت بیت

ع "خطِ رخسارِ تو رشکِ گل و ریحاں گردید"

بادِ نوروز بایں مژدہ بگیہاں گردید | کہ دمن گشت چمن دشت گلستاں گردید
بہر آرائشِ خوبانِ دل آرائے چمن | مشک آورد صبا ابر درافشاں گردید
مستیِ بادہ عیاں گشت زہر موجِ نسیم | کار رندانِ قدح خوار بساماں گردید
بوئے گل در طرب انگیزی و عشرت زائی | ہمچو خوئے شہ عثمان علی خاں گردید
آنکہ از پیرویِ شیوۂ آصف جاہی | در خورِ سروریِ گبر و مسلماں گردید
شہر یارے کہ بدورانِ بہارِ عدلش | جور چوں برگِ خزاں دیدہ پریشاں گردید
دید یک خلق دعا گوئے شہ ذی شاں | محویؔ خستہ دعا کرد و ز ایشاں گردید

نظم نشان (۳۶)

در تهنیت عید ۱۳۴۳ ف

بہار آمد و خوش آمد و صفا آورد   نسیم بوئے گل آورد و جاں فزا آورد
ز ژالہ ابر فرو ریخت گوہرِ نایاب   ز لالہ نامیہ لعلِ گراں بہا آورد
ز دستۂ گل و نسرین و نسترن شادم   کہ یادِ صحبتِ یارانِ باصفا آورد
فدائے زلفِ درازے شوم کہ پیچ و خمش   بلا بجانِ جوانانِ پارسا آورد
اگر نہ در نظر آں کیفِ چشمِ ساقی بود   شراب ایں ہمہ کیفیت از کجا آورد
دریں بہارِ نشاط آفرین و توبہ شکن   صباحِ عید دمید و نشاطہا آورد
خطیب رفت برسمِ قدیم بر منبر   دعا سرود و بلب نامِ پادشا آورد
نظامِ ملت و دیں آنکہ جانِ پاکش را   خدا بہ تقویتِ دینِ مصطفیٰ آورد
بلند مرتبہ شاہے کہ قلبِ روشنِ او   شکستِ فاش بجامِ جہاں نما آورد
نہ دایۂ بکنار ایں چنیں پسر پرورد   نہ مایۂ بجہاں ایں چنیں بہا آورد
صحیفۂ نہ چنیں نقشِ دل فریب نگاشت   حدیقۂ نہ چنیں سروِ خوش نما آورد
کشادہ است ز عقل و خرد بروئے جہاں   خزانۂ کہ ز درگاہِ کبریا آورد
زمانہ باہمہ قحط الرجال در اسلام   بحیرتم کہ چنیں خواجہ از کجا آورد
شہا، حدیثِ کمالِ تو ہر کسے کہ شنید   بلب ترانۂ روحی لک الفدا آورد

تو ئی کہ ملک ز تو چشم مرحمت دارد
تو ئی کہ قوم بہ جودِ تو التجا آورد
دلِ شکستہ مخورِ غم ز کار بستہ کہ شاہ
دلِ کشادہ و دستِ گرہ کشا آورد
بمدح شاہ مشو از دعاے او غافل
ہزار نعمتِ عالم کہ یک دعا آورد
ہزار سال بزی با نوا کہ یزدانت
بہ چارہ سازیِ مردانِ بے نوا آورد
قبول باد کہ با کم بضاعتی محوی
برائے نذرِ تو نظمِ گراں بہا آورد

نظم نشان (۳۷)

مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ بہ تقریب سال گرہ مبارک ۱۳۵۲ھ

شورشِ عشق نہ تنہا دلِ انساں دارد
ہم دلِ سنگ نہاں آتشِ سوزاں دارد
زخمیِ ناوکِ مژگانِ حیا آلودہ
دردِ پوشیدہ بدل، زخمِ نمایاں دارد
تو بیک عشوۂ کمتر، دل و جاں باختۂ
یار زیں جنسِ دل آویز فراواں دارد
حسن را طنطنۂ ناز بر د حجلہ نشیں
عشق را زمزمۂ شوق حدی خواں دارد
لذتِ عشق نہ خاص ست پئے عاشقِ زار
بوالہوس نیز بقدرِ لبِ دنداں دارد
بہرِ ناشادِ دلم، در شبِ تاریکِ فراق
داغِ دل حکمِ چراغِ تہِ داماں دارد
می کنم طے رہِ عشق تو با میدِ وصال
مور بنگر کہ سرِ ملکِ سلیماں دارد
نکشایم نظرِ شوق بدیدارِ جہاں
تا ہمہ آئینۂ روئے تو حیراں دارد
نہ شود قطع ز ما سلسلۂ مہر و وفا
تا سرِ زلفِ تو ایں سلسلہ جنباں دارد

جانبِ حسنِ تو گیرم، اگر آن فتنۂ دہر — بامہ و مہر ترا دست و گریباں دارد
گم کنم راہ بزلفِ تو، اگر حسنِ سلوک — در رہِ من نہ چراغ رخِ تاباں دارد
می دہد یارہ مرا مشغلۂ نالہ بہ ہجر — تا بایں مشغلہ دشوار من آساں دارد
حرمتِ لالہ ازانست کہ آں سوختہ جاں — قطرۂ چند زخونابِ شہیداں دارد
آنکہ شورے بسرِ گبر و مسلماں انداخت — نہ سرِ گبر و نہ پروائے مسلماں دارد
بردمِ تیغ ہر آں قوم کہ دی رفت بسر — خطر امروز نہ ہر خارِ مغیلاں دارد
دفترِ شعرِ سخنور نہ شود کاغذِ زر — تا نہ امضائے مہاراجہ بعنواں دارد
در امانست زہر کیدِ حریفاں محوی — تا بسرسایۂ عثمان علی خاں دارد

نظم نشان (۳۷ الف)

بہ تہنیت سال گرۂ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ ۱۳۵۵ھ

ع "چمن مماثلِ صد کشت زعفرانی بود"

دمیکہ دولتِ اسلام در جوانی بود — زمین مطیع بتائید آسمانی بود
بیک نسیمِ عطوفت بہار ہا شگفت — بہ گلشنے کہ زسرتا بپا خزانی بود
بیک کرشمہ شباں گشت پاسبانِ دیار — اگرچہ دورِ شبانی زپاسبانی بود
خجل ز سطوتِ آزادگانِ خاک نشیں — شکوہِ قیصری و شوکتِ کیانی بود

بیک فسون که حجابی بگوش قوم دمید چه زن، چه مرد همه گردِ بیستانی بود
ز مرگ رو نه کشیدند بهرِ آزادی باین عقیده که این مرگ زندگانی بود
نکرده ضبط اصول بیان و معنی را زبان کشاده و گفتار در روانی بود
متاعِ خانهٔ این مفلسانِ دریا دل همیشه وقف به مهمان و میزبانی بود
بدورِ اوّل مستانِ بادهٔ توحید نه بود رنج خمار و نه سرگرانی بود
بقولِ پیرِ مغان واقفِ عیان و نهان بهم دگر همگی لطف و مهربانی بود
بیک حدیثِ مواخاة ازمیان برخاست نزاعِ فخر که در بین خاندانی بود
چهار اسود و احمر بیک قرار کشید چو قوم ماهرِ اسرارِ ساربانی بود
نه کرد هیچ تفاوت میانِ سرخ و سفید نه امتیاز به تازی و ترکمانی بود
هزار جامهٔ سوفسطه هائے عیاران بیک شعاع زماهِ یقین کتانی بود
بیک نگاه چنان مست شد که ریخت بخاک هرانچه در خمِ ساقی مئے مغانی بود
به کارنامهٔ ایشان کشید دستِ قضا هزار نقش که زان داغ جان مانی بود

چو اعتصام بحبل المتین شرع نماند هبوطِ قوم به پستی و ناتوانی بود
خدا چو رفت ز دل هرچه بود رفت ز دست که هرچه بود طفیلِ خدائے دانی بود
به هند هم بسزائے همان خطا، درهم عروجِ اکبری و امن شاه‌جهانی بود
نه بود تاج بسر نے سپر بزیر قدم بدستِ تیغ نه هندی نه اصفهانی بود

نماند عظمتِ میری، نہ کبر مرزائی | تمام ترکی ترکان و شان خانی بود
فدائے قول حکیمے کہ گفت در دنیا | سوائے نام خدا ہر چہ بود فانی بود
مپرس از چہ فنا را گماشت بر دنیا | کسے کہ خود ہمہ دنیا و جاودانی بود

بقاش باد کہ شہ یادگار جاوید ست | ز شان و شوکتِ سلامیاں کہ آنی بود
جناب آصفِ ہفتم کہ در جہانبانی | نہ ہست ہیچ نظیرش نہ ہیچ ثانی بود
عنانِ حکم سپردند در کفِ رادش | کہ او ز روز ازل بہر حکمرانی بود
ز آبِ بخشش او گشت تازہ و سرسبز | رخے کہ از غم و بیم خشک و زعفرانی بود
نداشتند کسانے کہ دسترس بہ نمد | لباسِ شان ز عطاہاش پرنیانی بود
بگرد ہر کہ خطِ حفظ او کشید حصار | بہ امن و عافیت از گردشِ زمانی بود
سزائے عاجلۂ منکرانِ طاعتِ او | عذابِ دائمی و مرگِ ناگہانی بود
چو پیش بینی او بنگری بدل گوئی | مگر کشادہ براو بابِ غیبدانی بود
چو بشنوی سخنِ او یقین کنی کہ ہمیں | شعار انوری و شیوۂ فغانی بود
بگوشش نغمہ شناساں صریر خامۂ او | نوائے باربد و لحن خسروانی بود
علاج علّتِ بد ذوقی سخن گویاں | کشادنش در گنجینۂ معانی بود
چو گفتہ اند کہ خیر الامور اوسطہا | مدام رفت بہ راہے کہ درمیانی بود
بجز یہ ہیچ شہِ دیں پناہ ما نگرفت | بجز دعا کہ خراجِ نگاہبانی بود

همین دعائے تو شاہا مرا بہ نطق آورد — زدیر ورنہ مرا نطق رائگانی بود
شرابِ مدح کہ فکرم ز شیشۂ دل ریخت — برنگ و بو ہمہ مشکی و ارغوانی بود
ازین شراب باین رنگ و بو نہ مست شدن — قصورِ ذوقِ حریفانِ دوستگانی[1] بود
خدا دراز کند عمرِ تو کہ محوی را — بسایۂ تو فراغ از غمِ نہانی بود

نظم نشان (۳۸)

به تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۴۱ھ

کارم ز پیشتر شدہ با برگ و ساز تر — لطفت ز خلق کرد مرا بے نیاز تر
ہر لطفِ تو ز لطفِ دگر دلربا تر است — ہر فضلِ تو ز فضلِ دگر جاں نواز تر
دلہائے خلق می برد یکسے برد — چوں خلقِ تو ندیدہ جہاں یکہ تاز تر
آنجا کہ پایۂ فکرِ حکیماں نمی رسد — فکرِ تو می زند قدمے زاں فراز تر
جز چشمِ حق نمائے تو چشمے ندیدہ اند — با نور با بصیرت و با امتیاز تر
در بزمگاہِ جوہریانِ سخن شناس — چشمِ فلک ندیدہ ز تو دیدہ باز تر
باید شنید قصۂ من از زبانِ ہوش — می سنجم این نوا ز عدو دل گداز تر
در عرصۂ سپاس نہ بینی سخنورے — از محوی فتادہ زپا سرفراز تر
سر بر نہ زد ز سجدہ نہ دست از دعا کشید — سجادہ تا ز اشک نشد در نماز تر

[1] دوستگانی وہ شراب ہے جو دوست باہم بیٹھ کر پیتے یا دوستوں کو بھیجتے ہیں

عمرِ دراز می طلبد بہرِ شاہ خویش　　از کاکلِ کشیدۂ خوباں دراز تر
محوی بکارِ خویش مکن فکر و شاد باش　　شاہ است کارساز و خدا کارساز تر

اس نظم کو شرفِ سماعت عطا فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر قافیہ پاک اور تاک ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ دوسرے دن فدوی نے اشعار ذیل پیشگاہ والا میں عرض کئے

مہرست تابناک و رخت تابناک تر　　جانِ تو صاف و پاک و دلت صاف و پاک تر
جستند در احاطۂ امکاں نیافتند　　در راہِ حق ز رائے تو بے ترس و باک تر
از خَلق دلربائے تو خلقے ندیدہ اند　　با لطف و با مروّت و ہم با تپاک تر
ساقی باین امید رسیدم بمیکدہ　　شاید شود گلوئے من از آبِ تاک تر
اے آنکہ آفتابی و تابی بروئے خلق　　بر بندہ نیز تاب و لے تابناک تر
باد انسیم فیض تو ہر خشک و تر رواں　　از آب تا نہ خشک شود دشتے ز خاک تر
محوی، سخن ز جان و دلِ دردمند خویش　　با یاد او نمود ازیں دردناک تر

نظم نشان (۳۹)

بذکر ورود فرمان شاہی بہ تنبیہ ملازمین سرکار بغرض اجرائے کار دولت بہ مستعدی و توجہ تمام ۱۳۳۴ف

زجر تو گر دم مسیح ست　　در ملک دمید جاں دگر بار
ہر مست ز بادہ کرد توبہ　　ہر خفتہ ز خواب گشت بیدار

برخاست زجا و دست و پازد — آں مرد کہ بود نقش دیوار
ہر خادمِ کشور ست در شغل — ہر عاملِ دولت ست در کار
از نقش و نگارِ کلکِ رنگیں — ہر صفحۂ کاغذ ست گلزار
از حکمِ تو خامہ باز آمد — چوں بلبلِ خوشنوا بگفتار
القصہ کہ کار و بارِ دولت — شد آبِ رواں سبک برفتار
یک گردشِ خامہ کرد آساں — آں امر کہ بود سخت دشوار
وصفِ تو بروں زحدِ محوی ست — بیچارہ زباں کشد بناچار

نظم نشان (۴۰)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک ۱۳۴۰ف

جشن ست بتا، بزم برنگِ چمن انداز — مطرب بہ نوا غلغلہ در انجمن انداز
گر ساقیِ فرزانہ ما مے ندہد مے — ایں خرقہ زما گیر و بہ مے مرتہن انداز
مستم و در بادہ کشی وقفہ نخواہم — برخیز بدو شم کش و در پائے دن انداز
از کشمکشِ و ہجراں بہ کہ دلم را — در سلسلۂ زلف شکن در شکن انداز
اے شاہدِ اقبال بدہ جلوہ و خود را — سرمست بآغوشِ خدیوِ دکن انداز
نوشاہ دریں بزم چو عثمان علی خان ست — در گردنِ او دستِ لصبہ تازہ فن انداز
تا بوسہ نہ یابی بشمارِ عدد سال — از دستِ گل رو ونہ سیبِ ذقن انداز

تا وعدہ صد جشن پیاپے نستانی — خود را بکنارش باوب تکیہ زن انداز
چوں وعدہ دہد دست بہ آئین دعا گو — صد سال بزی صد گرہ خویشتن انداز
محوی چوترا جور فلک خانہ برانداخت — رو بستر خود بر در شاہ زمن انداز

نظم نشان (۴۱)

ہنگام واپسی اعلیٰ حضرت از دہلی برائے مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر گفتہ شد

سنہ ۱۳۳۹ ف

بزم انس ست بہم شیشہ و جام ست امروز — بادہ نوشیم کہ ایام بکام ست امروز
صحبت صاف کشاں بر تو حلال ست امشب — سیرت اہل ریا بر تو حرام ست امروز
فیض عام ست مے عیش بہ ہر کس بخشند — فرق برخاست یکے پختہ و خام ست امروز
از قدوم شہ عثمان علی آصف جاہ — دین قوی بازو و دولت بنظام ست امروز
یار ما در بر ما باز در ناز و نیاز — قاصد آسودہ ز پیغام و سلام ست امروز
دل زما راز زما بزم زما یار زما — ہمہ از خویش زبیگانہ کدام ست امروز
مرغ دل پر بفشاں تیز بپر چشم ببند — در کف دست سر رشتہ دام ست امروز
تیز تر گام زن اے راہرو منزل عشق — رہ کہ صد حلہ بودہ است دو گام ست امروز
نشۂ عشق ندانم بہ کجا انجامد — من مستم و درہ بر لب بام ست امروز
جلوہ فرماو رخ از عاشق بیچارہ مپیچ — کار بیچارہ بیک جلوہ تمام ست امروز

خواجه از حالِ دلِ محوی مسکیں پرسید | چشمِ الطاف به دیرینه غلام ست امروز

نظم نشان (۴۲)

به تهنیت سال گره مبارک ۱۳۵۰ھ بر مصرع طرح فرمودهٔ اعلیٰ حضرت

"تجلی ہم صفا از جبینش"

به بیں باغ و بہارِ دلنشینش | چمن گلگوں، زمرد گوں زمینش
چو بوئے مشکبارِ نو عروساں | نشاط افزا ہوائے عنبرینش
صفائے دوستانِ باصفا را | تواں نظارہ کرد از یاسمینش
بیادِ عارضِ گلگونِ جاناں | تواں بوسید روئے نسترینش
ہویدا یِ بہارِ سبزہ و گل | چمن بکشاد چشمِ نرگسینش
جلوسِ شاہ گل بر مسندِ شاخ | بیاد دم داد شاہ و شہ نشینش
شہے فخرِ جہاں عثماں علی خاں | کہ نادیدہ فلک مثل و قرینش
عیاں شانِ شہی از چشم و ابرو | ہویدا نورِ یزداں از جبینش
سجافِ نیک نامی گردِ داماں | طرازِ راستی بر آستینش
دُرِ "الفقر فخری" طرۂ تاج | "ہواللہ الغنی" نقشِ نگینش
مزاجش معتدل، نازک نہادش | زلطفِ امتزاج ماء و طینش

زفیضِ جودِ او هر تشنه سیراب | روان هر چار سو مار معینش
دکن معمور از علم و هنر شد | زند پیسر ز زرینِ و سیمینش
چنان آراست شهرِ حیدرآباد | که پیدا شد جنان بر سرزمینش
سوادِ بلده را رنگِ نوی داد | مکانش شد بلند و هم مکینش
از آبادیِ دیر است و مسجد | دکن نازد بجا بر داد و دینش
زبان گویا ز نطقِ دلکشِ او | سخن شیرین ز شعرِ شکرینش
ز بختِ سعدِ او یمن و سعادت | دو چاکر بر یسار و بر یمینش
نمی جوید ز مردم استعانت | خدا بخشش مستعان و مستعینش
حصارِ ذاتِ او حفظِ خداوند | دعای بندگان حصنِ حصینش
بگارش آفرینِ اهلِ عالم | بجانش رحمتِ جان آفرینش
نمی دانم چه خواهم بیشتر زین | که مجموع است هم دنیا و دینش
نه بگذارم ولی رسم دعا را | که آئین گشت خود روح الامینش
جهان بادا به مهرِ مقصود راضش | فلک بادا به هر صورت معینش

قبولش باد این نذرِ عقیدت
ز محوی مدح گوی کمترینش

۷۵۸۹

نظم نشان (۴۳)

۱۳۴۰ھ

ایک باریابی کے موقع پر اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہِ بندہ پروری دیر تک شرف تکلم بخشا تھا اور فدوی اور فدوی زادوں کے مفصل حالات دریافت اور سماعت فرمائے تھے۔ اس کے بعد ہی عید کی تہنیت میں یہ نظم گزرانی گئی تھی

در دلِ شبہا وصالش از خدا می خواستم — صبحدم ہمت ز اربابِ صفا می خواستم

یک شمیمِ جاں فزا زاں تازہ پرورِ چمن — در ہوائے شوق از بادِ صبا می خواستم

شد دعا مقبول پیدا گشت ز الطافِ خدا — ساز و سامانے کہ از بختِ رسا می خواستم

دولتِ دیدار حاصل شد بہ اندازے کہ من — از خدائے دو جہاں صبح و مسا می خواستم

مرحمت می رفت از تقصیر گاہے بیشتر — شاہ می بخشید و عذرِ ماجرا می خواستم

جوشش میزد رحمت و می داد خضرِ رہنما — ہر قدر از چشمۂ آبِ بقا می خواستم

یافتم در سایۂ فرخندۂ ظلِ الٰہ — حسن تاثیرے کہ از بالِ ہما می خواستم

خفتِ عقلم نگر، خاصیتِ خاکِ درش — در طلا می جستم و از کیمیا می خواستم

مرہمِ زخمِ جگر پیدا نہ بود آنجا کہ من — بہرِ ہر یک درد صد دار الشفا می خواستم

کشتیم شد غرق در دریا و مے بالیست شد — زانکہ من کارِ خدا از ناخدا می خواستم

عید فرخ آمد و بہر ادائے تہنیت | ایں چنیں روزِ ہمایوں از خدا می خواستم
دوش ہنگام دعا محوی زرب ذوالمنن | بہر شہ، توفیق و اقبال و بقا می خواستم

نظم نشان (۴۸)

کہ از لکھنؤ بملاحظہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی گزرانیدہ شد

۱۳۳۱ یا ۳۲ف

مدیح یار کہ توصیفِ شہریار کنم | از این دو کار ندانم کدام کار کنم
جمال دل کشِ جانان کمالِ حضرتِ شاہ | بدلبری ست برابر چہ اختیار کنم
چو یار جان من و جانِ روزگار شہ است | چرا نہ وصف ہماں جانِ روزگار کنم
ستودہ حضرت عثماں علی کہ در وصفش | ہراں خبر کہ بگویند اعتبار کنم
کشید کلک ازل نقشِ شاہ و با خود گفت | ازیں طلسم بہ بیں در جہاں چہ کار کنم
برافگنم ز وجودش بنائے جور و جفا | اساس عدل ز احکامش استوار کنم
ز جود و بخشش او کارہائے بستہ قوم | رواں بروئے زمیں ہمچو جویبار کنم
قوی کنم بجہاں در حمایتش دیں را | دوبارہ شوکتِ اسلام آشکار کنم
بسعی ہمتِ او گلستانِ عالم را | پر از شقائق و نسرین و نو بہار کنم
بہر کجا کہ بود زاغ، باغ گردانم | بہر کجا کہ قفارست لالہ زار کنم
قلم مسخر تیغ ست در جہاں لیکن | مسخر قلمش تیغ آبدار کنم

بجائے حرف و معانی بصفحۂ قرطاس ‌ ‌ روان ز خامۂ او درِّ شاہوار کنم
بمدحِ شاہ دراز ست و نطقِ من کوتاہ ‌ ‌ بمدحِ او چکنم گر نہ اختصار کنم

زہے مرنجِ گُلِ گلستانِ محبوبی ‌ ‌ بیاد بزمِ تو گر نالہ چوں ہزار کنم
ز منعِ گریہ چہ حاصل مرا کہ من ایں کار ‌ ‌ ہزار بار کنم صد ہزار بار کنم
فراق دیدۂ دہرم ستم کشیدۂ چرخ ‌ ‌ ہزار شکوہ ز نیرنگِ روزگار کنم
کشادہ اند درِ درد و بستہ اند زبان ‌ ‌ چرا نہ گریہ چو طفلانِ شیرخوار کنم
برافگنم ز جہاں رسمِ جاں فزائے امید ‌ ‌ اگر سخن ز دلِ ناامیدوار کنم
بپیشِ شاہ چہ گویم ز خویش شرمم باد ‌ ‌ ز حیلہ ہائے کہ با جانِ بے قرار کنم
گہے بہ نعرہ کہ "اللہ بس دگر ہوس ست" ‌ ‌ ملامتِ ہوسِ نفسِ نابکار کنم
گہے بشورِ "رضینا بما رضا" دل را ‌ ‌ پئے تحملِ ہر غصہ استوار کنم
گہے بہ پند کہ "دنیا و ما علیہا فان" ‌ ‌ بہ نفسِ جاہ طلب سخت گیر و دار کنم
گہے بقول کہ "حق غالب ست بر ناحق" ‌ ‌ امیدِ رحمت و تائیدِ کردگار کنم
گہے بوعدۂ حلم و حیائے عثمانی ‌ ‌ تسلّیِ دلِ غمگین و سوگوار کنم
خلاصہ ایں کہ بہ تسکینِ خاطرِ ناشاد ‌ ‌ فریب بے حد و تزویر بے شمار کنم
مگر خیالِ ضعیفان و خرد سالاں را ‌ ‌ نہ قادرم کہ بروں از دلِ نزار کنم
بجائے اشک ز چشمم رواں شود خوناب ‌ ‌ چو یاد گریۂ طفلانِ بے قرار کنم

هزار ناله و فریاد بر لبم آید | چو یاد دردِ ضعیفانِ دل فگار کنم

زغصه میرم و از درد و غم هلاک شوم | چو یاد شیونِ یارانِ غمگسار کنم

هر آنچه هست زخویش و تبارِ من آنجاست | چگونه قطع تعلق ازاں دیار کنم

بملکِ هند غریبم چو راهرو در راه | تمام عمر چنیں صرف رهگزار کنم

پس از فراقِ چهل ساله نیست جائے عجب | که آں کنار زمن، من ازاں کنار کنم

نه همدمے که باو حالِ دل کنم تقریر | نه منزلے که دراں یک دو دم قرار کنم

بجانِ شاه، که در حیرتم، نمی دانم | کجا روم، بکه سازم، کدام کار کنم

گناهِ خویش ندانم، مگر ز پاسِ ادب | سزد که توبه بسانِ گناهگار کنم

گناه از من و عفوش ز تو، جز از خدا | دراز گشت سخن به که اختصار کنم

سروشِ غیب بگوشم سرود، در حقِ تو | دراز بهر دعا دست رعشه دار کنم

بفخر و شوکتِ شاهانه تا ابد باشی | همیں دعاست که من بنده بار بار کنم

خدا کند که من اندر چکامهٔ دیگر | ادائے تهنیتِ قبضهٔ برار کنم

نظم نشان (۴۵)

شکر اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظله العالی بعد واپسی از زیارت حرمین شریفین مع تبرکات سنه ۱۳۵۳ھ

بسے شکر فضلِ خدا کرده ایم | که امسالِ فرضے ادا کرده ایم

مزارِ نبی، خانۂ کعبہ را | زیارت بصدق وصفا کردہ ایم
طوافِ حرم، سعی بین الصفا | زسر کردہ پا بارہا کردہ ایم
شب و روز ہمچوں گدایانِ خیل | صدا بر درِ مصطفٰی کردہ ایم
بہ ہر جا کہ بردند نام رسول | بپا شورِ صلِ علیٰ کردہ ایم

تو دانی شہا، ایں مبارک سفر | زنعمت کہ کردی عطا، کردہ ایم
بشکرانۂ ایں عطائے عظیم | بہ ہر جمع مدح و ثنا کردہ ایم
بہ ہر جا کہ گفتند[۱] جائے دعاست | برائے تو آنجا دعا کردہ ایم
چہ اندر حطیم و چہ در ملتزم | پئے تو دعا جا بجا کردہ ایم
چو اہلِ مدینہ[۲] پسِ ہر طعام | پئے منعم خود دعا کردہ ایم
ز تو ہدیۂ صد ہزاراں سلام | حضورِ رسولِ خدا کردہ ایم
پئے نونہالانِ باغِ شہی | مناجات بے انتہا کردہ ایم
پئے ملتے کاں بہ بندِ بلاست | دعاہائے ردِّ بلا کردہ ایم

لہ مطوف طواف کرانے میں ہر ایسے مقام کو بتاتے جاتے ہیں جس کی نسبت مروی ہے کہ وہاں دعا کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے

۲ وہ اہلِ مدینہ جو سرکارِ عالی کی فیاضی اور دریا دلی سے فیض یاب ہیں ہر کھانے کے بعد حضور پُر نور کے لئے نہایت خلوص سے دعا کرتے ہیں

پے دید آیاتِ صنعِ خدا | نظر سوئے ارض و سما کردہ ایم

کدام آں خطائے کہ از ما نرفت | کجا آں گناہے کہ ناکردہ ایم

مگر جرأت ما کہ با این ہمہ | تمنائے عفوِ خطا کردہ ایم

دراز ست دستانِ فضلت ازاں | باین مختصر اکتفا کردہ ایم

بہ پیری سخن چوں نگردد جواں | کہ مشقِ سخن از صبا کردہ ایم

مجو شکوہ محوی ز ما، زانکہ ما | ہمہ نطق صرفِ دعا کردہ ایم

نظم نشان (۴۶)

بہ تہنیت عید الفطر ۱۳۴۲ھ

موکبِ بادِ بہاری چو در آمد بچمن | خیمہ گاہِ شہ گل گشت زمین گلشن

سبزہ گسترد بہ ہر زاویہ دیباے طراز | ابر پاشید بہ ہر گوشہ گہرہائے عدن

شبنم افشاندہ بہ اشجار، دگر عطر بہار | باد پاشیدہ بہ ازہار، دگر مشک ختن

باز در نشو و نمایند نگارانِ نبات | باز در نقش و نگار اند عروسانِ چمن

دیدۂ نرگس فتاں ہمہ غنج ست و دلال | طرۂ سنبل پیچاں ہمہ پیچ ست و شکن

غنچہ چوں تازہ عروساں ہمہ شرم ست و حیا | باد چوں بلہوساں جملہ فریب ست و فتن

نسترن در برِ گلزار چو انجمِ تاباں | لالہ در دامنِ کہسار چو شمعِ روشن

راست گفتند کہ "الجنس الی الجنس یمیل" | لالہ روید بر لالہ و سمن دوش سمن

نغمه پرداز طبیعت که نسیمش نامند / هر سحرگاه بر اشجار نوازد ارغن
به هوائے شه عثمان علی آصف جاه / ناصر دولت و دین خسرو اقلیم سخن
آنکه بے یاوریش ملک نگردد آباد / آنکه بے داوریش خلق نباشد ایمن
آنکه بے بخشش او بهره ز عزت نه جاه / آنکه بے پرسش او حاصل علم ست نه فن
حرف او موجب پیرایش ایوان بیان / نطق او باعث آرایش گلزار سخن
نیست رزاق و دهد رزق بیک جمع غفیر / نیست پیغمبر و بر خلق نهد فرض و سنن
اے شرف یافته در دهر به انواع هنر / وے سمر گشته در آفاق به اخلاق حسن
علم را با تو همان ربط زبانست و بیان / فضل را با تو همان نسبت روح ست و بدن
شیوهٔ خوش نگزاری که طریف ست و جدید / رسم بد را نه پسندی که قدیم ست و کهن
حال هر بنده همی پرسی و میداری یاد / الله الله چه لطف ست و چه حفظ و چه فطن
ظالمان را بکشیدی و ببستی بازو / سرکشان را بگرفتی و شکستی گردن
بے نیازی ز تو افسانهٔ لاف ست و گزاف / بے نیاز از تو درین عهد نه مرد ست نه زن
هست مرهون سخایت چه سپید و چه سیاه / هست ممنون عطایت چه شمال و چه دکن
محوی گوشه نشین نیز تمنا دارد / گوشهٔ چشم عنایت ز خداوند زمن
چشم لطفے که زمینش برسد قافله اش / تا در کعبهٔ مقصود بیک چشم زدن
همرهٔ قافله طفلان همه نادیده جهان / رهبر قافله پیران همه سرگشته چو من
وان پئے خدمت والائے تو بربسته میان / دین پئے عرض دعائے تو کشاده دامن

شمع اقبالِ تو در بزم جہاں روشن باد | تا کند شمع خرد بزم جہاں را روشن
دوستانت ہمہ در عیش و طرب نازو نعیم | دشمنانت ہمہ در درد و بلا رنج و محن

نظم نشان (۴۷)

بہ تہنیت عید قرباں ۱۳۴۲ھ

عید قربانت مبارک اے شہِ صاحبقران | اے امیر المومنین و اے دستگیر بیکساں
اے کہ ذکرِ خیر تو بگزشتہ از اقطاعِ ملک | وے کہ نام نیک تو بگرفتہ اقصائے جہاں
مہر تاب از مہرِ تو ہر ذرۂ خاکِ دکن | فیض یاب از فیضِ تو ہر گوشۂ ہندوستاں
بگزر از ہند و دکن، خوانِ کرم گستردہ | ہر مثال آفتاب از قیرواں تا قیرواں
فضلِ عالمگیر تو بیدا اسے نا پیدا کنار | بذل با تدبیر تو دریائے نا پیدا کراں
میکنی احساس دردِ خاطرِ ہر دردمند | می رسد تا گوش تو فریادِ ہر فریاد خواں
تو نئی آسودہ تن، خلقے ست گر بیخواب و خور | تو نئی آزادہ دل، قومے ست گر بے خانماں
بیکس و بیچارہ ترکاں جا بجا افتادہ اند | خستۂ تیر و تفنگ و زخمیِ نوکِ سناں
بستۂ بندِ جفا، آوارۂ دشتِ ستم | کشتۂ ظلم زمیں، پامالِ جورِ آسماں
می کند چارہ گرِ ذلت، دوائے دردِ رنج | میرساند میرسامانِ حمایت، آب و ناں
می زند فراشِ فضلت چادرِ آسودگی | می نہد معمارِ رایت، پایۂ امن و اماں
دست می گیری داز قعرِ فلاکت می کشی | شاہِ ترکاں[1] را چو دشمن می شود دورِ زماں

[1] سلطان سابق عبد المجید خاں کو سرکار آصفیہ سے ایک معقول وظیفہ دیا جاتا ہے

می نویسی در حقش توقیعِ ادرار مدام — می فرستی جانبِ او این عطائے شائگان
یاد می ماند بتاریخِ جهان این بذل و جود — تا ز ترکان ست باقی در جهان نام و نشان
زائران اندر حرم ذکرِ عطایت می کنند — از پسِ تکبیر و تهلیلِ خدائے انس و جان
بر فرازِ مکرمت امروز گامے می زنی — روز دیگر می زنی یک گام بالاتر ازان
آنچه تو کردی نکرده هیچ شه در عهدِ خویش — آنچه تو دادی نداده هیچ کس در دودمان
دفتر و دیوان برین دعوی گواهِ عادل اند — گر کسے باور نمی دارد ز محوی این بیان
تو بمانی در جهان تا در جهان ماند سخن — تا سخن را قدر ماند تا سخن را قدردان

نظم نشان (۴۸)

در تهنیت عید سعید سنه ۱۳۴۱ھ

شاه را روشنگرِ مهر انجمن باید شدن — همچو جان قوت دهِ هر عضوِ تن باید شدن
در رسومِ داوری چون آفتابِ نیمروز — بر سرِ اهلِ جهان پرتو فگن باید شدن
در تنِ هر مملکت روحِ روان علم ست و فن — پادشه را سرپرستِ علم و فن باید شدن
باعثِ معموریِ هر سلطنت مرد و زن ست — خواجه را تسکینِ جانِ مرد و زن باید شدن

۱ حرمین شریفین کے خدام اور سادات وغیرہ کی جو امداد ریاست ہذا سے کی جاتی ہے اس کی مقدار تقریباً اٹھائیس ہزار روپیہ ماہوار ہے اور جو رقم مفلس زائروں پر سالانہ صرف ہوتی ہے اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے کم نہیں ہے

در زر و سیم ست مضمر قوتِ قوم و وطن | در پئے تقویتِ قوم و وطن باید شدن

گہ کفایت واجب ست و گہ سخاوت فرضِ عین | جائے چوبِ خشک و جائے نسترن باید شدن

از عروجِ دین و دانش و ز فروغِ عقل و رائے | صاحبِ تدبیر چوں شاہِ دکن باید شدن

حضرت عثماں علی خاں آنکہ در توصیفِ او | ہر بنِ مو را بجائے خود دہن باید شدن

ملّتِ اسلام می گوید بہ آوازِ بلند | ہمچو او دلدادۂ فرض و سنن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماندہی | خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن

گوش بر حکمِ خدائے دو جہاں باید نہاد | رو بسوئے قبلہ بر وجہِ حسن باید شدن

گر تو می جوئی تسلط بر دلِ اسلامیاں | فارغ از اندیشہ ہائے ما و من باید شدن

می نوازی از تکلم ہر کہ و مہ را بہ لطف | خلق را ہم بہرِ ایں خلقِ حسن باید شدن

بر گلِ خوشبوئے اخلاقِ تو ہر ذی ہوش را | سرخوش و سرشار چوں مرغِ چمن باید شدن

از لبِ نوشین و از شیرینیِ گفتارِ تو | طوطیانِ ہند را شکّر شکن باید شدن

اندریں عہدِ ہمایوں می وزد بادِ بہار | قلزمِ عیش و طرب را موج زن باید شدن

ہر کجا ذکرِ کراماتہائے شاہی میرود
محوی خاموش را گرمِ سخن باید شدن

نظم نشان (۴۹)

بہ تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۴۹ھ

زلفِ سیہ نہ بر رخِ خوباں کشیدہ — مشکیں خطے بصفحۂ قرآں کشیدہ

روشن ز روئے تست جہاں پس چہ حاصل است — از پردہ گہ بر رخِ تاباں کشیدہ

تا دوستدارِ تو نہ شود آشنا بخلق — دستش گرفتی و بہ بیاباں کشیدہ

بر محضرِ منوّرِ ایجادِ کائنات — طغرائے حسن و عشق بعنواں کشیدہ

سرہا ز عشق از مئے دردِ تو سرخوش است — ایں مے مگر ز خونِ شہیداں کشیدہ

دردے نہادہ بدل عاشقان و باز — آں درد را بقالبِ درماں کشیدہ

نزدیک تر ز حبلِ وریدی و ایں عجب — صد نشترِ فراق بشریاں کشیدہ

جانم فدائے خامۂ نقش آفرینِ تو — نقشۂ عجب بصورتِ انساں کشیدہ

ز آناں مراد ماست توئی شاہ سرفراز — چوں تو سرا ز حدیقۂ عرفاں کشیدہ

اصلاحِ ملک و ملّتِ بیضا مرادِ تست — و ز بہرِ ہر دو رنج فراواں کشیدہ

ہم دست دادہ بعزیزانِ بے نوا — ہم خارِ غم ز پائے غریباں کشیدہ

خوانِ عطا و مائدۂ بندہ پروری — یکساں برائے گبر و مسلماں کشیدہ

از لجّۂ خیال بگاہِ سخنوری — یک دم ہزار گوہرِ غلطاں کشیدہ

غازہ کشیدۂ برخِ نظم نو بہ نو — شانہ بزلفِ نثرِ پریشاں کشیدۂ

جائے کہ نعل می فگند اسپِ دیگراں — آنجا سمندِ فکر بجولاں کشیدۂ

مشکل کجاست پیشِ تو در کارہا — امرِ محال در حدِ امکاں کشیدۂ

پیداست چارسو اثرِ نشّۂ کمال — از بادہ ہائے فکر کہ پنہاں کشیدۂ

دانی تباہ کاریِ جہل و بہائے علم — چوں ہر دو را بکفّۂ میزاں کشیدۂ

دستِ عطا وجود سپئے نشرِ علم و فضل — بردی تہی بجیبِ زرافشاں کشیدۂ

شاہا بہ سرپرستیِ تالیف[1] و ترجمہ — نام نکوئے خویش بکیواں کشیدۂ

تو قدردانِ علمی و از چار سوئے ملک — جمعے ہنروراں ہمہ داں کشیدۂ

خواہد گروہِ بے بصراں رائگاں دہد — دُرہائے بے بہا کہ زعمّاں کشیدۂ

خواہد بآفتاب مذلّت کند دوچار — آں را کہ زیرِ سایۂ داماں کشیدۂ

راضی مشو کہ چنگلِ چنگیزیاں رسد — آنجا کہ خوانِ حکمتِ یوناں کشیدۂ

مانی ہزار سال کہ تعلیم گاہِ عام — در چار سوئے ملک ہزاراں کشیدۂ

مدحِ تو منحصر نہ بخیلِ سخنوراں ست — از ہر گروہ و زمرہ ثناخواں کشیدۂ

محوی نوائے نغمۂ تو دل نشینِ ماست
ہر چند ایں ترانہ پریشاں کشیدۂ

[1] اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی کے بے شمار کارناموں میں دارالترجمہ و تالیف کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے جس کی شہرت تمام ممالکِ اسلامی میں پھیلی ہوئی ہے

نظم نشان (۵۰)

تہنیت و تاریخ جلوس میمنت مانوس اعلیٰ حضرت کہ ذریعہ مدار المہام وقت
در آئینہ گزرانیدہ شد

ہزاران تہنیت از ما رسان در حضرت آصف ترا در بزم سلطانی اگر بادِ صبا راہ است
اگر پرسد ازو سالِ جشنِ مسند آرائی بگو خود یادگار جشن نام نیکوے شاہ است

یعنی

"نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ"[1]

۱۹۱۱ع

ازاین پیدا است کز روز ازل شاہ قدر قدرت خداوندِ سریر و تاج و طبل و مسند و گاہ است
زہے خود داری و نام نکو و غیرت شاہی پے تاریخ ہم از منتِ اغیار اکراہ است

بہ قانونِ فرنگی زان کشید این نغمہ را محوی
کہ جشنِ شاہ[2] ہم آہنگ با جشنِ شہنشاہ است

[1] یہ عبارت اس بحر میں آجاتی ہے مگر متوالی اور لا حاصل اضافتوں کی وجہ سے میں نے بجائے شعر کے اس طرح لکھنا زیادہ تر مناسب تصور کیا

[2] اسی سال انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی ہوئی تھی

متفرق قطعات و رباعیات وغیرہ

قطعہ

لہ سرم ز عزت اصلاح شاہ ذرہ نواز — بلند گشت و برفعت ز آسماں بگزشت
ضیائے زہرہ ز تنظیم عقد پرویں یافت — چو نظم من ز نگاہ خدائگاں بگزشت
نواخت شاہ بشاگردیم در آخر عمر — ہزار حیف بعمرے کہ رائگاں بگزشت
چو ایں عطیۂ عظمیٰ نصیب شد محوی — بگو کہ عہد عروج سخنوراں بگزشت

قطعہ تاریخ مکان نو کہ بحکم اعلیٰ حضرت قریب نذری باغ تعمیر شدہ بود

بحکم حضرت عثماں علی، خدیو دکن — کہ تازہ از دم او باغ دانش و دیں ست
کشیدہ اند برنگے نگار ایں تعمیر — کہ سال فصل ہویدا ز "باغ رنگیں" ست
۱۳۳۳ف

قطعہ تاریخ تولد عالی جناب شہزادہ نواب میر برکت علی مکرم جاہ بہادر طول عمرہٗ

یک ہزار و سہ صد و چل و سہ بد — سال فصلی باعتبار دکن
(۱۳۴۳ف)
بود آدینہ، اوّل آذر — کہ گل نو شگفت در گلشن
یعنی آمد بروں ز پردۂ غیب — شاہدے گلعذار غنچہ دہن
داد فرزند، خالق عالم — بہ ولی عہد پادشاہ دکن
شد خطابش ز شہ مکرم جاہ — فال نیک ست بہر اہل وطن
ہست پیدا ز لوح ناصیہ اش — صولت حیدری و خلق حسن

لہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہ الطاف خداوندی میری ایک نظم میں بعض الفاظ کے ردّ و بدل کا مشورہ عنایت فرمایا تھا چنانچہ میں نے ان کو بدل دیا اور اس سے وہ اشعار پہلے سے زیادہ تر بہتر اور چسپت ہو گئے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا

قرة العین مادر و پدر ست | راحتِ جان پادشاهِ زمن
نه فقط آسیا که یورپ هم | شد ز فرتاب نام او روشن
مولد اوست "ملیس" ملک فرنگ | گر نشان می دهد ز باغِ عدن
می زند گل بگل دم از تبریک | تهنیت خوان ست هم چمن بچمن
می وزد در چمن نسیم بهار | می دهد باد بوئے مشکِ ختن
رخت بربست غم ز خاطرِ خلق | جانِ عیش و نشاط را مسکن
یارب عمرش دراز باد بدهر | به طفیلِ شهِ حجاز وطن

تاریخ ورود شهزاده موصوف از دیار فرنگ بحیدرآباد (دکن)

میر برکت علی مکرم جاه | نونهالِ ریاض شاهِ دکن
للّٰه الحمد زیرِ سایهٔ شاه | گشت رونق فزائے باغِ وطن
از قدومش که نیز تاریخ ست | دل و جان شاد چشم و جان روشن

۱۳۵۲ھ

برائے عید اضحی ۱۳۴۱ھ از پیشگاه اعلی حضرت بندگان عالی مدظله العالی ایما رفته بود که بجائے قصائد قطعات یا رباعیات پیش شوند بامتثال امر این چند قطعات گذرانیده شد

قطعه

عید ست و بهار ست و نشاط ست و سرور ست | تا چشم کنی وا همه نور ست و ظهور ست
هم دیده ورانند پئے دید همه چشم | هم منظرِ انوارِ الٰهی بحضور ست

دیگر

جهان ست پر ز نوائے عید پادشا نیست — صفا و صدق نگو مروه و صفا نیست
بیار هدیهٔ تسلیم بیا به کعبهٔ دل — که بر زمین ست اگر خانهٔ خدا نیست

دیگر

برائے ما همهٔ عیدے به از لقائے تو نیست — صدائے خیلِ غریباں بجز دعائے تو نیست
بناز محوی ناداں به یک دو بیتِ ثنا — که پادشاهِ ترا حاجتِ ثنائے تو نیست

دیگر

بناک بکامِ تو بادا جهاں به رائے تو باد — قدر معاون و توفیق رهنمائے تو باد
بقائے رونقِ دیں از کفِ کشادهٔ تست — زبان بستهٔ اسلام در دعائے تو باد

دیگر

بیار اوصاف بود لازمهٔ خدمتِ شاه — بخت و برنائی و کار آگهی و دانائی
محوی پیر جز اخلاص ندارد وصفے — در حقش شاه جواں بخت چه می فرمائی

دیگر

خالی از نغمهٔ مدحِ تو مرا گوش مباد — نطقم از ذکرِ کرمهائے تو خاموش مباد
گر تو هم قسمتِ هر بنده دهی در شبِ قدر — قسمتِ محوی بیچاره فراموش مباد

قطعہ تاریخ ازدواج اعلیٰ حضرت با حضرت مظہر النسا بیگم صاحبہ دختر خرد امام جنگ مرحوم

دوشیزۂ بشاہ چو گوہر سپردہ اند ❘ بر رسم دیں عروس شاہ بشہ ہر سپردہ اند
تاریخِ ازدواج زمحوی شنو کہ گفت ❘ "نوشابہ را بلطف سکندر سپردہ اند"

۱۳۴۱ھ

دیگر

منزلِ خورشید چرخ برتری ❘ گشت روشن چوں زحسنِ دل فروز
خواند محوی مصرعۂ تاریخِ عقد ❘ "اقترانِ ماہ و مہر نیک روز"

۱۳۴۱ھ

قطعہ

ماکہ اخلاص زسر تا بقدم آمدہ ایم ❘ چند گاہ است کہ در پنجۂ غم آمدہ ایم
ازپسِ فرقتِ سہ سالہ ز اطفال و عیال ❘ باز در سایۂ لطفِ تو بہم آمدہ ایم[1]

قطعہ

چوں دورِ زماں داد مرا عیش بباد ❘ افسردم و شد نشاطِ شعرم از یاد
امسال بجز دعا نگفتم شعرے ❘ بر قولِ عرب کہ در نشاط ست نشاد[2]
آنکس کہ ترا شاد نخواہد بجہاں ❘ یارب بجہاں خرّم و دل شاد مباد

فقط

[1] بعض حضرات کی سعایت سے میرے تین سال بے حد پریشانی اور پراگندگی میں گزرے کبھی ایسا ہوا کہ بال بچے یہاں تھے اور مجھے لکھنؤ میں رہنا پڑا اور کبھی وہ لوگ وہیں رہے اور میں حیدر آباد آگیا۔ تقریباً تین سال کی سرگردانی کے بعد ہم لوگ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے الطاف شاہانہ سے پھر ایک جگہ جمع ہو سکے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ عرض کیا گیا تھا

[2] عرب کہتے ہیں "النشاد فی النشاط" یعنی شعر کہنا اور سنانا خوشی میں زیبا ہے

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپی